دیوان غریب نوازؒ

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم اے

نذر

میں اپنی اس کوشش کو حضور غریب نوازؒ میں پیش
کرنے کی جسارت کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔
کیا عجب ہے کہ یہ خدمت مقبول ہو جائے۔

مُسلم احمد نظامی ایم اے

ناشر

کتب خانہ نذیریہ۔ اردو بازار جامع مسجد
دھلی

ہدیہ :۔ چار روپے آٹھ آنے

یہ ہدیۂ عقیدت روحانی دنیا کے اس بادشاہ کا
کلام کہا جاتا ہے جس کو دنیا غریب نواز رح
پکارتی ہے ۔

مسلم احمد نظامی ایم اے

مطبوعہ
کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی

اظہار عقیدت

عقیدت کیا چیز ہے؟ یہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، بلکہ اگر محال کہا
جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ عقیدت میں آدمی کیا کر گزرتا ہے۔ یہ عقیدت مذہبی جان
سکتا ہے۔ مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں چودہ سو برس گزر جانے کے
بعد بھی وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن کو صحابۂ کرام کا اخلاق، ان کی عبادت و ریاضت
حاصل ہے جن کی زندگیاں آج بھی ایمان کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔ اور سچ
تو یہ ہے کہ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کی بدولت زمین آسمان رکے ہوئے ہیں،
ورنہ دنیا کے اعمال تو اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر اس دنیا کو زمین و آسمان کی چکی کے
دونوں پاٹوں میں بے دریغ پیس دیا جائے اور ہائے نہ کی جائے تو بے جا نہ
ہو۔ مگر قدرت کی کریمی یہاں بھی آڑے آتی ہے اور جہاں نیک بندے اپنی دعاؤں کی
بدولت آفات کو روکنے میں دن اور رات مصروف ہیں وہاں ہم جیسے بیکار بھی عیش
کی زندگی گذار رہے ہیں جن کے اعمال کا آئینہ کدورتوں سے مکدر ہو کر اندھا ہو گیا ہے
اسی اندھیرے کو دور کرنے کے لئے، اسی گمراہی کو سمیٹنے کے لئے قدرت گاہے
گاہے اپنے نمائندے بھیجتی رہی ہے ان میں سے کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تھے
اور جب نبوت کا سلسلہ سرکار نبوت پر ختم ہوا تو منشائے الٰہی کے ماتحت یہ کام
صحابہ کرام نے سنبھالا۔ ان کے بعد اسی فرض کو تابعین نے پہچانا اور پوری کوشش

کی کہ دنیا احکام الٰہی و فرمان رسول کے مطابق چلے اور اس کوشش میں ان کو جو کامیابی ہوئی تاریخ داں حضرات جانتے ہیں۔ اور یہ کامیابی صرف اس عقیدت کی وجہ سے تھی جو ان بزرگوں کو حضرت پیغمبر علیہ السلام سے تھی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ تبع تابعین نے سنبھالا اور وہ بھی کامیاب رہے اور پھر اس میدان میں اولیاء کرام کی وہ جماعت آئی جن کا اوڑھنا بچھونا بجز رضائے الٰہی کچھ نہ تھا۔ یہ لوگ اپنے آرام کو پس پشت ڈال کر تبلیغ دین کے میدان میں ایسی ایسی جگہ گئے جہاں کفر و ظلمات کی اندھیریاں دن کو رات بنائے ہوئے تھیں اور انتہائی مصائب اٹھانے کے باوجود یہ حضرات اس میدان میں مرد میدان ہی بنے رہے اور ان ہی میں حضرت معین الملت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی آتا ہے۔ آپ کی زندگی ایک کامیاب زندگی تھی۔ جس میں مصائب دل کھول کر سامنے آئے مگر استقامت اور ہمت حاوی آئی اور حضرت غریب نواز اس سلسلے میں کامیاب رہے۔ یوں تو حضرت غریب نواز سے قبل چشتیہ سلسلہ کے کچھ بزرگ ہندوستان آئے مگر جہاں تک چشتیہ سلسلہ کا تعلق ہے یہ سہرا غریب نواز ہی کے سر رہے کہ آپ اس سلسلہ کے ہندوستان میں بانی قرار دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ کی ترویج آپ ہی نے فرمائی۔

پرتھوی راج کا پر آشوب دور الاماں و الحفیظ ہر طرف کفر و ظلمت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ــــ اسی اندھیرے میں مذہب اسلام کی نور افشانی کے لئے حضرت نے ہمت فرما کر اعلائے کلمۃ الحق فرمایا۔ اور آپ نے بڑی ہی کوشش فرما کر دین اسلام کی تبلیغ شروع فرمائی۔ یہ ایک ایسا اہم کام تھا جس میں اپنی ہمت اور عزم کے ساتھ خود اعتمادی نے کامیابی یقینی کر دی۔ اجمیر کی سرزمین جو راجپوت سامراج

کا مرکز تھا آپ نے منتخب فرمائی۔ ہر جگہ کا غیر مسلم اس جگہ جمع ہو کر اپنے مذہبی رسومات پورے کرتا تھا۔ گویا اجمیر سیاسی اور مذہبی مرکز تھا۔ آپ نے اسی سرزمین پر اپنی خانقاہ بنائی اور لوگوں کو مذہب اسلام کی تجلیوں سے واقف فرمانے لگے۔ اگر استقلال نہ ہوتا تو یہاں کچا پکا نہ جم سکتا تھا مگر وہاں تو قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ اس مرکز ظلمات کو آنے والے زمانہ کے لئے مرکز فیوض بنانا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد کو ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں ہندوستان میں چھوت چھات کا وہ زور تھا کہ انسان اناج کی ڈھیریوں کی طرح بٹے ہوئے تھے۔ نہ اتحاد فکر و عمل تھا نہ آپس میں محبت و خلوص۔ بلکہ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ تھا جو بج رہا تھا مگر بے سر و تال۔ جس کی آواز سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ تمدنی دنیا میں یہ اندھیرا دور وہ دور تھا جس سے زندگی کے پودے مرجھائے جانے لگے تھے۔ انسان انسانیت سے گر کر حیوان سے بدتر ہو گیا تھا۔ اونچی ذات کے لوگوں کے اردگرد زندگی کی رعنائیاں انگڑائیاں لیتی دکھائی دیتی تھیں۔ اگر مزید تفصیل دیکھنی منظور ہو تو ابی الریحان البیرونی کی کتاب الہند دیکھنے سے حقیقت اچھی طرح سامنے آجائے گی۔

اس چھوت چھات کے دور میں حضرت غریب نوازؒ نے اسلامی تعلیمات کو عملی حیثیت سے پیش کیا۔ جس سے سماجی خود ساختہ اونچ نیچ ختم ہوئی زندگی اپنی اصل کیفیت پر آئی اس طرح وقت کی سب سے اہم ضرورت پوری ہوئی۔ گرتا ہوا انسان جو زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا اب پھر زندگی کی تمنا کرنے لگا تھا۔ اس انقلاب عظیم کا

بانی محلوں میں نہ رہتا تھا بلکہ ایک معمولی سی جھونپڑی میں ایک دو تہی لپیٹے ہوئے دنیا والوں کو یہ بتا رہا تھا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ہی انسانیت کا کا صحیح مسلک ہے۔ انا ربکم الاعلیٰ ہنے والی قوم اس پیغام کو سن کر سماجی زنجیروں کو توڑ کر آگے بڑھی اور اس پیغام کو جو پیغام حق تھا بڑے شوق و ذوق سے سنا اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ صرف یہ ہی راستہ نجات کا راستہ ہے۔ وہ انسان جس کو پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی نصیب نہ ہوتی تھی اس پیغام کو سنانے والا تھا۔ جس نے سنا اس کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اس غریب انسان نے نظر کی تاثیر سے اس کفر کے سمندر میں خشکی کی لہر دوڑا دی نہ صرف یہ بلکہ اس نے جدھر آنکھ بھر کر دیکھا معصیت اور لغزشوں کے سوتوں کو ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا۔ وہ سینہ جو برسوں سے کفر والحاد کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا اس پیغام حق سے ایمان کی منور قندیل بن گیا۔ وہ دماغ جس میں نفرت و حقارت کے خیالات پرورش پا رہے تھے اس پیغام کو سن کر محبت و رواداری مساوات واخوت کی تجاویز پر غور کرنے لگا۔ وہ سر جو آج تک بتوں کے آگے جھکا کرتا تھا اب صرف اس ذات کے آگے جھکنے لگا جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صاحب سیر الاولیاء شریف کہتے ہیں کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری حضرت غریب نواز کا مرید ہو گیا۔

ادھر سیاسی حالات میں تغیر پیدا ہوا۔ محمد غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندوستان پر حملہ کر کے متعدد فتوحات حاصل کیں اور اس طرح حکومت کا مرکز لاہور منتقل ہوا اور لاہور سے دہلی چلا گیا۔ مگر حضرت غریب نواز نے

اجمیر شریف کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا ۔ مگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی میں مقرر فرمایا۔ سچے پیر کے سچے مرید خواجہ قطب صاحب دہلی میں آئے تو یہاں کی دنیا ان کی غلام ہو کر رہ گئی ۔ مگر یہ ہی وہ بزرگ تھے کہ باوجودیکہ ان کو سچا اقتدار حاصل تھا مگر کبھی سیاسی دنیا سے تعلق نہ رکھا ۔ یہ تھے وہ لوگ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر اپنی ہر چیز قربان کر دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرتے تھے اور یہ ہی وجہ تھی کہ ماحول کی زہریلی فضا کبھی ان پر اثر انداز نہ ہوئی ۔

ایسی بلند ہستی جس کو دنیا میں یہ عروج تھا اگر چاہتی تو روحانی بادشاہت کے ساتھ ساتھ زمین کی بادشاہت پر بھی قبضہ کر لیتی مگر دنیا کی لذات و خواہشات تو ان کے سامنے کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی تھیں ۔ اس لئے جہاں کہیں اور جب کہیں دنیا کے اقتدار پسندوں کو اپنی ایمانی کمزوریوں کے باعث ان کے اردگرد جمع ہوتی ہوئی مخلوق کے والہانہ جذبہ سے خوف معلوم ہوا ان بزرگوں نے ہمیشہ ان کے اس خوف کو دور کر کے ان کو یقین دلایا کہ دنیاوی حکومتوں سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ۔ ان کا کام صرف اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر مخلوق کو چلانا ہے ۔ اس پر زمانہ کے دستور کے مطابق کچھ لوگوں نے یقین کیا اور کچھ نے نہ بھی کیا ۔ تاریخ سے اس تنازعہ کے متعلق پتہ چلے گا جو خواجہ قطب صاحب اور قاضی نجم الدین کبریٰ میں ہوا ۔

حضرت محبوب الٰہی کے زمانہ میں بھی ان کی مخالفتیں حکومت اور اس کے اعیان و انصار کی طرف سے ہوئیں مگر یہ عقل کے اندھے یہ نہ دیکھتے تھے

کہ یہ لکھ مٹلتے والی ہستیاں جن کے اپنے تن پر نہ ڈھنگ کا کپڑا ہے نہ پیٹ کو قرینہ کی روٹی ہے کس طرح دنیاوی حکومت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ جب بھی ان سے مقابلہ ہوا تو حکومت کے نشہ میں سرشار یہ دنیا والے ہمیشہ شکست کھا کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بعض اوقات حکومت کی پوری قوتیں ان کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ مگر قربان ہو جائیے ان کی صداقت کے کہ ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا مگر یہ حکومتیں ختم بھی ہو گئیں۔

ایک انگریز نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے:۔

"میں نے ہندوستان میں ایک ایسا مردہ دیکھا ہے جو زندوں پر حکومت کرتا ہے۔"

یہ بات اس نے حضرت غریب نواز کے متعلق کہی۔ بات دنیاوی اعتبار سے سچی ہے مگر اس کو کیا معلوم کہ یہ لوگ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں ہی پر حکومت کرتے ہیں۔

سرزمین اجمیر جہاں غریب نواز کا مسکن ہے آج بھی دنیا والوں کے لئے فیض کا وہ چشمہ ہے جس میں کبھی خشکی کے آثار بھی پیدا نہیں ہوئے۔ ہندو، سکھ عیسائیوں کی وہ کثرت رہتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آخر کیوں یہ لوگ حضور کے مزار پُر انوار پر حاضری دینا فخر سمجھتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ یہاں سے ان کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جس سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، جس سے ان کی روحوں کو سکون میسر آتا ہے۔ وہاں کی روحانی فضا، وہاں کا پر نور ماحول، وہاں کی جنت نظیر سرزمین اس قابل ہے کہ وہاں جا کر گھر واپس آنے کو جی اس کا چاہتا ہے

جس کا دل مردہ اور روح پژمردہ ہو چکی ہو۔ ورنہ وہ جگہ تو ایسی جگہ ہے جہاں اللہ والے کو اللہ اللہ کرنے میں وہ لطف حاصل ہوتا ہے اور ایسا دل لگتا ہے کہ جس کا جواب نہیں۔

روز و شب اللہ اللہ کرنے والی یہ ہستی جس کے سامنے دنیا کی گردنیں جھکتی تھیں اپنے اس اقتدار کو دیکھ کر فخر نہ محسوس کرتی تھی، بلکہ وہ غریب نواز تھی — غریبوں کو وہاں سب کچھ ملتا تھا۔ سب کچھ ملتا ہے اور سب کچھ ملتا رہے گا۔ آؤ غریب بن کر غریب نواز کے دربار میں چل کر دل کی تمنائیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرو کوئی وجہ نہیں کہ باری تعالیٰ اپنی اس بزرگ باعظمت شخصیت کے طفیل میں تم کو وہ سب کچھ نہ دے دے جو تم چاہتے ہو بشرطیکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

سلطان الہند ہوتے ہوئے معین الملۃ بھی ہیں، معین الدین بھی ہیں، خواجۂ بزرگ بھی ہیں، خواجۂ خواجگان بھی ہیں اور مزید برآں غریب نواز بھی ہیں۔ ان کے ملنے والے ان کے چاہنے والے، ان کی خدمات کے معترف چار دانگ عالم میں موجود ہیں۔ آج بھی ان کے دربار میں ہزاروں انسان آنکھیں بچھاتے ہوئے ملیں گے۔ عقیدت کے پھول ہندو مسلم جب دربار میں پیش کرتے ہیں تو وہ نظریں جن کو قدرت نے بصیرت عنایت فرمائی ہے محسوس کرتی ہیں کہ انسانیت کا محسن اعظم۔ یہ کملی پوش شہنشاہ آج بھی دنیا کو پیغام اخوت و محبت دے رہا ہے۔ اب جو اس آستانہ عالیہ پر سے لوٹا تو اس کی دنیا ہی پلٹ جاتی ہے۔ نہ چھل نہ فریب نہ بغض نہ عداوت۔ نہ کذب نہ افترا۔ بس اس کے پاس ایک چیز ہوتی ہے

پرخلوص محبت انسان کے لئے نہیں کل مخلوق کے لئے۔ یہ ہے وہ عطیہ جو دربار غریب نواز سے آج بھی وہاں حاضر ہونے والوں کو ملتا ہے۔ یہ پیغام محبت، یہ مساوات و اخوت آج کی نفرت کی دنیا میں کیسا افادی پہلو رکھتا ہے۔ اظہر من الشمس ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں عمل کرنے والے کرتے ہیں۔

اسی عظیم المرتبت شخصیت نے جب کفر اور اس کے متعلقات کا پوری طرح جائزہ لیا تو اپنی تبلیغ کے اس نے بھی وہی طریقہ اپنایا جو غیرمسلموں میں مروج تھا۔ یعنی غیرمسلموں میں بھجن، کیرتن گائے جاتے تھے۔ اور اس ہی گانے میں لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر اس قدر محو ہو جاتے تھے کہ دوسرا کوئی خیال باقی نہ رہتا تھا۔ اس لئے حضرت غریب نواز نے پیغام توحید کو وقت کے رواج کے تحت اسی طرح پیش کیا۔ اور اس کو اصطلاح صوفیہ میں سماع کہتے ہیں۔ لوگوں کی ذہنیتوں کو آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لئے آپ کا یہ طریقہ کامیاب رہا۔ اب جو شخص سماع اور اس کی باریکیوں سے واقف ہوا اس کا فن شاعری سے بھی تھوڑا بہت آشنا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے شاید حضرت صاحب نے موجودہ دیوان تصنیف فرمایا ہے۔ مگر مستند حالات کے مطالعہ کے دوران کوئی چیز ایسی نظر سے نہ گذری جس سے اس رائے کی تصدیق ہوسکے اس لئے مستند تبصرہ نگار اس مسئلہ میں خاموش دکھائی دیتے ہیں۔ اب اگر یہی بات صحیح ہے اور اغلب یہی ہے کہ یہ ہی درست ہے تو پھر یہ دیوان کیسا؟ اور دیوان بھی وہ دیوان جس کا ہر مصرعہ عشق الٰہی کا آئینہ دار اور پھر ہر غزل کا مقطع غریب نواز کے نام کا حامل؟ یہ معمہ اس صورت حل ہوسکتا ہے کہ ہم حضرت کے معتقدین

کی طرف توجہ کریں اور ان کے بڑھتے ہوئے والہانہ اعتقاد کو دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ حضرت کی تعلیمات کا گرویدہ عاشق صادق اس دیوان کو تصنیف کرنے والا ہے جس نے یہ مختصر دیوان جو بلند وا رفع پاکیزہ خیالات کا نچوڑ ہے تصنیف کر کے حضرت کے نام سے منسوب کر دیا ہے سارا دیوان پڑھ جایئے کوئی لفظ مبتذل یا کوئی مصرعہ مضمون کے اعتبار سے کمزور نہ دکھائی دے گا اس لئے یہ کوشش کامیاب کوشش ہے اور اگر اس کو عقیدت کی معراج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مجھ جیسا گنہ گار انسان جب غریب نواز کی بارگاہ پر حاضر ہوا تو غائبانہ عقیدت کے دریا میں ایک جوش پیدا ہوا۔ وہاں سے واپس آکر طبیعت میں ایک تغیر پیدا ہوا اور خیالات میں پراگندگی کے بجائے سمٹاؤ پیدا ہوا۔ اس لئے سوچا یہ کہ کیوں نہ دین کی خدمت کے لئے ان کتابوں کو شائع کیا جائے جو بزرگوں سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اپنے ہی دارالمطالعہ میں کچھ ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں جن کو از راہ عقیدت میں نے پورے اہتمام سے چھاپا۔ "فوائدالفوائد" کا اردو ترجمہ اسی زنجیر کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے بعد دیوان غریب نواز کی کتابت شروع کرائی اور ساتھ ہی ساتھ خواجہ قطب صاحب اور بڑے پیر صاحب کا دیوان بھی کتابت کو دیا۔ خدا کا شکر ہے یہ سب کتابیں دور کتابت سے گزر کر طباعت کے دور میں آگئی ہیں ۔ یہ سب ان ہی بزرگوں کا کرم ہے ــــ مگر اس منزل تک پہنچنے میں مجھے جن جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ مسودہ کی درستگی نے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا پھر بھی یہ درستگی میرے دل کو

نہیں چھپی ۔ اس کے بعد کتابت میں کیسی کیسی نازیبا حرکات کاتبوں کی برداشت کی ہیں یہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ پیشگی رقومات کتابت کے لئے دیں اور کاتب بھی ایسے لئے جو بظاہر عقیدت مند معلوم ہوتے تھے، مگر ہندوستان کے بعض خطے بدقسمتی سے پست فطرت کے حامل ہیں۔ اسی لئے رقمیں قبل از وقت وصول کیں اور آٹھ دن کا کام دو ماہ میں کیا اور پھر احسان جتایا الگ اسی سلسلہ کا اور دیوان جو زیادہ صحیح نہ تھا ایک باہر کے کاتب کے سپرد کیا۔ آدمی اجلے پوش شریف تھے اس لئے میں نے ان کا دل بڑھانے کے لئے مقررہ اجرت کتابت کے علاوہ بھی ان کو دیا ۔ اور مقدمہ نویسی کی سعادت بھی ان ہی کے لئے موقوف کی ۔ بہت مختصر مقدمہ لکھا جو صرف حضرت کے حالات پر مشتمل تھا ۔ اس مقدمہ کو انہوں نے بہت اہم سمجھا اور مجھ سے تیس روپے اس کی اجرت طلب کی ۔ یہ کام حضرت کا تھا اس لئے میں نے رقم تو ان کو دیدی مگر خریدا ہوا مقدمہ دیوان کے ساتھ منسلک کرنا نامناسب سمجھا اس لئے وہ مصنف کو واپس کر دیا۔ یہ ہیں عقیدت و شرافت کی وہ جیتی جاگتی تصویریں جن سے بزرگوں کے نام کو اور ان کے کام کو فائدہ پہنچنے کی امید تھی ۔ مجھ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ کچھ دن میرا دماغ ماؤف سا رہا کہ جب نورانی صورت والے انسان اپنی عقیدت کو فروخت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر دنیاداروں کا تو ذکر ہی کیا، اسلام کی بھی خیر نہیں ۔

اب یہ تو ایک واقعہ ہے ورنہ مجھے بارہا ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جنہوں نے ہر قدم پر مذکورہ قسم کی مبتذل حرکات کر کے میرے ارادوں کو ڈگمگایا

ہے مگر یہ صرف خواجگان کا کرم تھا کہ یہ کام مکمل ہوا۔ اب میری کوشش دیکھ لیجئے۔ کاتبوں کی سرد مہری دیکھئے۔ علم والے حضرات کی خود فریبی دیکھ لیجئے اور اس بڑے کام کی تکمیل آپ کے سامنے ہے۔

آپ اس دیوان کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو سبحان اللہ ورنہ تبرکاً بطور اپنے پاس رکھئے۔ اس میں اغلاط ہیں۔ ان کو کچھ تو میں نے ڈرتے ڈرتے درست کر دیا ہے۔ کچھ کاپیاں جن صاحب نے دوسرے دیوان کی کتابت کی ہے انہوں نے اجرت لے کر دیکھی ہیں جن سے میں مطمئن نہیں ہوں۔ لیکن انشاء اللہ پروف پڑھتے وقت ان پر میری نظر ہوگی۔

موجودہ دیوان ایک دنیادار کاتب سید اشہد علی صاحب لکھنوی نے لکھا ہے اس دنیادار کاتب کی دنیاداری پر دین دار کاتب صاحب کی علم دانی اور عقیدت قربان کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے انتہائی محنت سے یہ کام کیا ہے۔ مقررہ اجرت لی ہے مگر دیر ضرور کی ہے، پھر بھی ان حضرت نے جو کچھ لکھا ہے اس لائق ہے کہ اس کی قدر کی جائے۔

اب مطبع والوں کی ناز برداری باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی عہدہ برآ فرمائے۔ اب تو خدا گواہ ہے اس کتابی دنیا سے یعنی طبع و نشر کے کاروبار سے دل ہٹ گیا۔ ورنہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ پڑھنے والے پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ خریدنے والے خریدیں یا نہ خریدیں میں اپنی زندگی اسلامی مطبوعات کی نذر کر دوں گا۔ مگر افسوس کہ اس سعادت سے مجھے محروم کرنے والے کمر باندھے ہوئے بددیانتی احسان فراموشی کو گلے لگا کر دنیاوی زندگیاں

پُرعیش بنا رہے ہیں۔ خدا ان کو نیک توفیق دے۔ آمین۔ مگر میری ہمت شکستہ ضرور ہو گئی۔

غلام الاولیاء مسلم احمد نظامی
۳۰ مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ربود جان و دلم را جمالِ نامِ خدا
نواخت تشنہ لبان را زلالِ نامِ خدا

وصالِ حق طلبی ہمنشینِ نامش باش
بہ بین وصال خدا اور وصالِ نامِ خدا

میانِ اسم و مسمی چو فرق نیست بہ بین
تو در تجلیٔ اسما کمالِ نامِ خدا

یقین بدان کہ تو با حق نشستۂ شب و روز
چو ہم نشین تو باشد خیالِ نامِ خدا

ترا سزد طیران در فضائے عالمِ قدس
بشرط آنکہ بہ پرّی ببالِ نامِ خدا

چو نام او شنوم گر بود مرا صد جان
فدائے اوست بعزّ و جلالِ نامِ خدا

معیّن ز گفتنِ نامش ملول کی گردد
کہ از خداست ملالت ملالِ نامِ خدا

ما طلبگار تو ایم و تو گریزانی ز ما
ما بسویت مقبل و تو روی گردانی ز ما

ما برون از شش جهت و صد جهت جویانِ تو
چند خود را هر طرف مشغول گردانی ز ما

هر کجا خواهی شدن ما با تو هم اے بیخبر
ما نمی مانیم از تو گر توئی مانی ز ما

ما چو بحر و تو چو ابری بار ما کش غم مخور
باغ را خندان کنی گر چند گریانی ز ما

گفتمش تا چند در پرده نهان خواهی شدن
وقتِ آن آمد که دیگر رو نه پوشانی ز ما

گفت من بی پرده ام گر پرده بینی آن توئے
تا تو هستی در هزاران پرده پنهانی ز ما

چون توئی پیشت حقیقی چند نامِ این و آن
این وجودِ عارضی باشد که بستانی ز ما

گفتهٔ چشم تر ز مرآت آئینه ظاهر شد معین
من چه گریم سر ز گریه شد چون خود نمی دانی زبا

دلا بحلقۂ رندانِ بزم عشق درآ
که جرعۂ ز شرابِ بقا دهند ترا
بیاد هر دو جهان را ببشند را ندرنه
درین قمار بیک داد هرچه هست درآ
اگر بقا طلبی اولت فنا باید
که تا فنا نشوی ره نمی بری به بقا
تو بازِ شاهی و از دست شاه بپریدی
بغیر شاه مکن میل و سوئی شه باز آ
ز ظلمتِ بشـ[illegible] چو بگذری برسی
ازین حضیض دنائت براوجِ او ادنی
براقِ عشق برائے تو صد قدم طی کرد
تو هم مضائقه بگذار و یک قدم پیش آ
تو چند در طلبِ یار در بدر گردی
به خود نگر که توئی مظهرِ همه اسما

باین مبین که تو خاکی و خاک تیره بود
باین نگر که تو آئینۂ جمال نما!
سحابِ عشق چو بارانِ شوق می بارد
عجب مدار گر از خاک بشگفد گلہا
نقاب ہستیٔ خود را تو از میان بردار
دگر ببین که جمالِ که میشود پیدا
بگیر مصقلۂ عشق و زنگ تن بزدائے
بہ بین در آئینۂ جان جمال جان را
بکوش تا که ز چشمت غبار بر خیزد
که تا معائنه بینی ظہور نورِ خدا
اگر تجلیٔ نور قدم ہمی خواہی
معینؔ نقاب حدث واز جمالِ خود بکشا

ہر کہ روزی یک قدم برداشت اندر راہ ما
عاقبت رہ بُرد سوئی بزمِ عشرت گاہِ ما

آفتاب از اوجِ عزت رخ نہد بر خاکِ پاش
ہر کہ بر رویش نشیند گرد از درگاہِ ما

بر دو انداسپِ ہمت بر فرازِ نہ سپہر!
ہر گدائی کو نہد رخ بر بساطِ شاہِ ما

یک نشان با من بگوئی از رہروانِ راہِ عشق
تا مگر باشد براہ آید دلِ گمراہِ ما

پردۂ ہستی اگر سوزی بنارِ لا الٰہ!
آن زمان بی پردہ بینی نورِ الا اللہِ ما

جان برافشاندن بیادش از خدامی خواست دل
شد بحمد اللہ میسر عاقبت دل خواہِ ما

بر دلِ غافل کجا تابد فروغِ مہرِ دوست!
مہبطِ آن نور نبود جز دلِ آگاہِ ما

من از آن ترسم کہ سوز دبالہائے قدسیاں
شعلۂ گر برفلک تا بد ز سوزِ آہِ ما !

در شبستانِ بدن نور رخش مطلب معین
عالمِ جان بین منور از فروغِ ماہِ ما

ز پیش خویش برافگن نقاب دعویٰ را
ببین بکسوتِ صورت جمالِ معنیٰ را

بزن بسنگ ملامت زجاجۂ ناموس
بکوی عشق بریز آبِ روی تقویٰ را

چو هشت باغ جناں خوشۂ ز خرمن ماست
به نیم جو نه خرم کشت زارِ دنیا را

بحقِ او که بکونین چشم نکشایم
که تا نخست نه بینم جمالِ مولیٰ را

ز برگ برگ درختِ وجود خوشنودم
رموزِ عشق که گفت خت موسیٰ را

اگر ز آتشِ عشقت بسوختم چه عجب
که کوه تاب نیاورد یک تجلیٰ را

معین به چشم خرد حسن دوست نماید
به بین بدیدۂ مجنون جمالِ لیلیٰ را

اے زشرم روی ماہت درعرق غرق آفتاب
وز فروغِ بادہِ رخسار تو مہ اندر نقاب
آفتاب از خاکِ راہت یافت حشمت لاجرم
در فضائے آسمان زد خیمۂ زرین طناب
گر ز انوار رخت یک شعلہ تا بد بر فلک
از حیا مستور گردد آفتاب اندر نقاب
نورِ حقست آن مجسم گشتہ در ذاتِ نبیؐ
ہمچو نور ماہ کز خورشید کرد ست اکتساب
نقرہ جنگِ چرخ را ازمہ کشد زرین لگام!
در شبِ اسرا چو آرد پائی ہمت در رکاب
از فلک بگذر کہ فوق العرش منزل گاہ اُوست
چون کند عزم سفر اے خواجۂ عالی جناب
سِرّ ما اَوحیٰ نگنجد در ضمیر جبرئیل
کشفِ اسرارِ لدُنّی کی کند اُمّ الکتاب

درمقامِ لِیُ مَعَ اللہ از کمال اتصال
از خدا نہ بود جدا ہمچون شعاع از آفتاب

از محمدؐ دیدہ باید فرض کردن در بہشت
چونکہ بیرون آید انوارِ تجلی از حساب

یا رسولؐ اللہ شفاعت از تو میدارم امید
با وجود صد ہزاران جرم در روزِ حساب

اندران روز یکہ بہرانتقام عاصیان
آتشِ دوزخ برا فروزد علم از التہاب

درخیالِ من نمی گنجد تمنائے بہشت
دارم از فضلت امیدِ رستگاری از عذاب

ہرچہ خواہی با معینی بیش براز مہر و لطف
لیکن از درگہ مران واللہ اعلم بالصواب

بگوش جان من آمد ندائے عالمِ غیب
زخوانِ وصل شنیدم صلائی عالمِ غیب

به باغ قدس تماشا خوش است اگر خواهی
برآب منظرهٔ دل کشائی عالمِ غیب

به بحرِ قلزمِ وحدت کند شنا ور رہی!
ولیکه گشت بجان آشنائی عالمِ غیب

دلاز مطلع غیبے نبافت نور ظهور
گرفت کون و مکان راضیائی عالمِ غیب

جمال شاہدِ جان بین ورائے پردهٔ خاک
چنانکه نورِ خدا از ورائی عالمِ غیب

مشامِ روح مروّح کن از روائحِ قدس
زنفحهٔ نفسِ عطرسائی عالمِ غیب

ندائی عالمِ غیب ار زحق نمی شنوی!
شنوز لفظ پیمبر صدای عالمِ غیب

ترا بہ حضرتِ عزت ہمی نماید راہ
محمدؐ عربی رہنمائی عالمِ غیب

براوجِ طارمِ قدس آمد از نشیمنِ خاک
نہاد بزمِ طرب در فضائی عالمِ غیب

نشست بر پرِ جبریل و بالِ اسرافیل!
کہ تا رسید بخلوت سرائی عالمِ غیب

چہ شد ندیم سراپردہ گفت جبرئیلش!
کہ ہین بگوی محمدؐ ثنائی عالمِ غیب

چو او نمود بعجز اعترافِ لا احصیٰ
ثناش گفت بقرآن خدائی عالمِ غیب

زدود جامِ دل از صیقلِ محبتِ پاک
بدید نورِ خدا در صفائی عالمِ غیب

عروج نیست میسر براوج اَدْ اَدْنیٰ!
مگر بہ پیروئی مقتدائی عالمِ غیب

زشاخِ سدرہ برآرد صفیرِ نغمۂ عشق!
چو بلبلے کہ بود خوش نوائی عالمِ غیب

معین چو طائرِ قدس از قفس رود بیرون
گہی کہ در سرش افتد ہوائی عالمِ غیب

خزینہاست مرا پُر ز نقدِ علم و ادب
کجاست آہِ سحرگاہ و نالۂ دل شب

مباش تشنہ لب اندر بوادیٔ عصیان
کہ بحرِ رحمتِ ما موج میزند برلب

ظہور نورِ ربوبیت از برائے تو شد
ازان زمان کہ ترا گفتہ ام اَلَسْتُ بِرَبّ

تو بندۂ من و من ربِّ تو بجز این بس ست
ز مادر و پدرت چون کنیم قطع نسب

ہزار دام کشادم کہ کردہ ام صیدت
گرت کنون بربایم ز دامِ خود چہ عجب

ہزار بار جوابِ تو گفتہ ام لبیک!
بدان امید کہ یکبار گوئیم یارب

نظر بہ رحمتِ ما کن مخور فریبِ عمل
چو شد پدید مسبب معطل ست سبب

جمال ذات بہ حسن صفت بیارایم !
حجاب برفگنم بس بگویمت فارغ
مراجو کہ نیابی بباغ عالمِ قدس
درونِ سینۂ سوزانِ عاصیان بہ طلب
بوقت درد و طلب لطفہائی من دیدے!
قیاس کن کہ چہ بینی بوقت عیش و طرب
معین ز نام و نشان درگذر کہ در رہِ عشق
غلامیِ سگ کویش ترا بس ست لقب

عالم نمی از رشحۂ بحرِ کرمِ اوست
آدم کفِ خاکی ز غبارِ قدم اوست

آدم شدہ بیدار و هنوز او بشکرِ خواب
شاباش وجودیکه طفیلِ عدمِ اوست

عیسیٰ که چو خورشید زند خیمه بر افلاک
در آرزوئی سایۂ عالی علمِ اوست

دُر در شکمِ بحر نهانست و دلِ او!
دُریست که صد بحر نهان در شکم اوست

هر بنده که دارد خطِ آزادیِ دوزخ
آن بنده غلام وی و آن خط رقمِ اوست

شادیٔ جهان کرد فدای غمِ امت
دانست که شادیٔ جهانی به غم اوست

چون دید که نیکی و توکم بود بدی بیش!
زین واسطه دانم که غمِ بیش و کمِ اوست

جانم که طپد ہر نفس از بہر وصالش!
موقوف برون آمدن دم بدم اوست

داریم امیدی که نپرسند بہ محشر
تقصیر معینی که بنا بر کرم اوست

توئی کہ جز تو ترا خود حجاب دیگر نیست
بغیر نور رخت را نقاب دیگر نیست

توئی معرف خود لاجرم بدیہی گشت
کہ در تصور تو اکتساب دیگر نیست

رموز عشق ز لوح دلم مطالعہ کن!
کہ حل نکتۂ عشق از کتاب دیگر نیست

شہودِ حق طلبی از وجود خود بگذر!
کہ جز وجودِ تو او را حجاب دیگر نیست

ز قشر تن بگذر در لبابِ جان بنگر
دران لباب عجب گر کتاب دیگر نیست

بمرد زاہد ما در خمار خمر بہشت!
گمان برد کہ جز آن می شراب دیگر نیست

چو محو تست **معین** نام او چہ می پرسی
کہ جز خموشیش اکنون جواب دیگر نیست

این چه نورست که بر کون و مکان تافته است
نورِ عشقست که از مطلعِ جان تافته است
عشق مانند همائیست که از اَوجِ شرف
سایهٔ دولت او بر دو جهان تافته است
تو درونِ دل و بوئ تو ز خود می شنوم
نکهتِ عطرِ تو بر غالیه دان تافته است
بهرِ نا دیدنِ خفاش نگردد پنهان
آفتابے که ز هر ذره عیان تافته است
خواست خیاط قضا خلعت خاصی دوزد
رشتهٔ ما و ترا بر هم ازان یافته است
عکس رخسار تو در دیدهٔ گریان منست
هم چو خورشید که در آب روان تافته است
شعله زد آتش دل از نفسِ سوزانم
آه ازین سوز که بر کام و زبان یافته است

بر سر راہِ طلب عاقبت آریم بکف
دولتی راکہ ز عشاق عنان تافتہ است
بزم خاص است معین بادۂ وحدت پیش آر
ہان کہ مستی تو بر مجلسیان یافتہ است

چشم بکشائی که آفاق پر از نور خداست
خالی از نور خدا در ہمہ آفاق کجا است

معنیٔ گر ز نظر خلق نہاں بود مدام
نیک بنگر کہ نمودار ازین صورت ماست

آن جمالے کہ نظر نیز دران محرم نیست
ہم چو خورشید درین آئینۂ ناپیداست

گفتمش چند بود حسن تو پنہان گفتہ
حسن پیداست ولی دیدۂ بینندہ کراست

سبک آ از خود و از ہر طرفی بہرہ مجوی!
کہ کششہا ہمہ درجا ذبۂ کاہ رباست

طبل عشقست کہ در کون و مکان می گونید
پنبہ از گوش برون کن بشنو کین چہ صداست

شد معین با تو بخلوتگہ وحدت محرم
تا کہ از ہستی و از نیستی خویش جداست

مستم امروز از ان بادہ کہ در جامِ دلست
تا ابد چاشنیٔ عشق تو در کامِ دلست

تشنگی دل از ان نیست کہ یابد تسکین
کہ ہمہ جوئے بہشت است کہ یک جامِ دلست

تن پرستی ست کہ میلش بہ نعیم دو جہانست
جام دیدار خدا وعدۂ انعامِ دلست

اضطرابِ دلم آرام نگیرد بہ بہشت
دیدن روی دل آرام من آرام دلست

میرود ہر نفس از دل بخدا پیک دعا
قدسیان را بہ فلک گوش کہ پیغامِ دلست

چون دل از عالمِ پاک آمدہ در کشور خاک
ہم بآنجا رود آخر کہ سرانجامِ دلست

از تو تا دوست گر از عرش بود تا ثیری!
از کم و بیش میندیش کہ یک گامِ دلست

سرکشی چون کند آن تن که دلش گشت سوار
توبہ بین نفس جموح ست و لی رام دلست
ظلمتِ غارِ بدن گشتہ حجابت ورنہ
تابشِ نور خدا بر در و بر بامِ دلست
طائرِ عشق کہ از کون و مکان آزاد ست
مرغ زیرک صفت آو یختہ در دامِ دلست
خطبۂ سلطنت و سکۂ دولت کہ زدند
تاجداران ملائک ہمہ بر بامِ دلست
نکتۂ عشق کہ بر لوح بیان ثبت نیست
بر معینی ہمہ معلوم بہ اعلامِ دلست

آتشی افروخت عشق و جسم و جانِ من بسوخت
گفتم آہی برکشم کام و زبانِ من بسوخت

آتشِ دوزخ ندارد تابشِ روزِ فراق
آہ ازین آتش کہ پیدا و نہانِ من بسوخت

نارِ دوزخ گرچہ سوزد پوستہائے عاصیان
آتشِ ہجرانش مغزِ استخوانِ من بسوخت

نعمتِ ہر دو جہان با عافیت می خواست دل
آتشِ عشق آمد و ہر دو جہانِ من بسوخت

دنیا و عقبیٰ برفت و عشقِ مولیٰ ماند بس!
سطوتِ نورِ تجلے این و آنِ من بسوخت

اہلِ عقبیٰ سود بردہ طالبِ دنیا زیان
گرمی بازار او سود و زیانِ من بسوخت

تشنۂ دیدارِ یارم در بیابانِ طلب
کاتشِ این تشنگی روح و روانِ من بسوخت

چون نشان بے نشانی در رہِ گمنامی ست
برقِ استغنا از ان نام و نشانِ من بسوخت

چونکہ در مرآت جان دیدار جانان شد عیان
ظلمتِ تن در ظہور نور جان من بسوخت

صد ہزاران پردہ بود اندر میان ما و دوست
جملہ از یک شعلۂ آہ و فغانِ من بسوخت

گر معینی بیش ازین گفتی ز حسنش شمّۂ
این زمان نور رخش شرح و بیانِ من بسوخت

آتشی آمد پدید و جسم و جان یکسر بسوخت
دل درون سینه ام چون عود در مجمر بسوخت

سوخت جسم و جانم ای محرم خدارا باز پرس
کین چه آتش بود کز وی جمله بحر و بر بسوخت

اینچه آتش بود کا مد حاصل از مقداح غیب
کین همائے عقل را در اوج فکرت پر بسوخت

اخگری می بود پنہان زیر خاشاک وجود
عاقبت یک شعله زد مجموع خشک و تر بسوخت

من ز دیده ریختم آبے که بنشیند علم!
اشک خون آلود بود و آتشم بهتر بسوخت

خواستم آهی زنم شاید که سوزم کم شود!
در تنم آتش فتاد و بر فلک اختر بسوخت

خلق گویندم معین این رمز بر منبر مگوی!
آه کین آتش هزاران واعظ و منبر بسوخت

کسے کہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست
اگر بدیدۂ تحقیق بنگری دانی !
کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست
چون اندر آئینۂ دل فتاد عکس رخش
چنان نمود کہ در جسم و جان من ہمہ اوست
اگر تو خرقۂ ہستئ خویش پارہ کنی
نظر کنی کہ درین زیر پیرہن ہمہ اوست
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس
کہ دار نیز ہمی گفت با رسن ہمہ اوست
کہ بر دیوئے دقرین ساخت با اُوَیسِ قَرَنْ
سوئ مدینہ کہ آورد از قرن ہمہ اوست
رموز عشق کند آشکار و نندیشد
چو دل بدید کہ در سرِ در علن ہمہ اوست

مگو کہ کثرتِ اشیا نقیض وحدتِ تست
تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن ہمہ اوست

تعین ست گر از اعتبار ما و منست
ز اعتبار گذر کن کہ ما و من ہمہ اوست

چو نائی کہ نہد بر دہان نی لب خویش
نہادہ بر دہن عاشقان دہن ہمہ اوست

چہ جائے بادہ و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینے و دم مزن ہمہ اوست

یارب این صورت کہ در مرآت جان پیداست کیست
آنچنان حسنی درین پردہ نہان پیداست کیست

ذرّہ ذرّہ نیست خالی درہمہ کون ومکان
وان کہ بیرونست از کون ومکان پیداست کیست

آفتابی درلباس ذرّہ ہائے مختلف
نور دیگر می فرزند ہر زبان پیداست کیست

گر بظاہر در لباسِ ما توئی پیدا ایک
آنکہ پنہانست اندر مغز جان پیداست کیست

آنکہ اندر بزم جان ہردم باوازِ دگر!
می نوازد پردہ صاحب دلان پیداست کیست

آنکہ خود بر خود تجلی می کند پس خود بخود
عشق می بارد بنام عاشقان پیداست کیست

چند ہرساعت من وتو درمیان آری معین
آنکہ مقصود از من وتست ازمیان پیداست کیست

نام او می بردم اول تا چنان شد عاقبت
که چو شیر اندر رگِ جانم روان شد عاقبت

یاد او با جان چنان آمیخت کز فرط طلب
یاد او گشت او در جان نهان شد عاقبت

خلق می گفتند یادش تا جنون خواهد کشید
این سخن باور نکردم تا چنان شد عاقبت

مدتی دل را توقع بود زان لب شربتی
آرزوی دل بکامِ عاشقان شد عاقبت

آنکه اندر پردهٔ عصمت گہی مستور بود
پردہا افگند و رسوائی جہان شد عاقبت

رشتهٔ جانِ مرا بگسیخت مقراضِ فراق
نا امیدِ وصلِ تو پیوندِ جان شد عاقبت

ہر دلی کز بی نشان می خواست تا یابد نشان
چون معیّن در بی نشانی بی نشان شد عاقبت

دررہِ عشق توام درد تو ہمراہ بس ست
مونسِ خلوتِ دل آہِ سحرگاہ بس ست

رہ مخوفست و شب مظلم و دشمن بہ کمین!
رہبرم نور توکّلت علی اللہ بس ست

درحریم حرم خاص گرت رہ ندہند
ہمت از دور زمین بوسی درگاہ بس ست

حُسنِ ساقی بہ تو بے پردہ اگر جلوہ نکرد!
عکس افتاد بجام دلِ آگاہ بس ست

چون من القلب الی الرب نکشادند درے
پا بدامن کش و بنشین کہ ہمین راہ بس ست

حشم عقل بزیر علم عشق درآر!
در سپاہی کہ ہزار ند یکی شاہ بس ست

ہمچو خورشید مکن جانبِ ہر ذرّہ نگاہ
زانکہ در فسحتِ دل منزلِ یک ماہ بس ست

تونکو خواه وی و جنت وصل آن تو شد
و اتش ہجر نصیب دل بدخواه بس ست
گر مطیعان ہمہ طاعت ببر دست برند
ای معین بدرقۂ آه تو یک آه بس ست

مزار عشق تو در دیست در دل مجروح
کہ گر چہ شرح دہم ہم نمی شود مشروح

فتوح عالم غیبی ہمی کنند نثار
گہی کہ در گہ میخانہ می شود مفتوح

صباح روز ازل ساقیٔ الست چہ گفت
اَبا فَرِیقَ سُکَارٰ اتِہَا دَرُوا الصَّبُوْح

چہ جرعہ ہاست کہ بر خاک تن نمی ریزد
ز بادۂ کہ دلم می کشد ز ساغر روح

سوار کاری میدان چرخ می سزدت
اگر ز دست نمائی لگام نفس جموح

فَنُوْرُ وَجْہِ حَبِیْبِیْ بَعْدَ مَا طَلَعَتْ
بِلَا مَظَاہِرِ آیَاتِہٖ تَکَادُ تَلُوْحُ!

معین بہ عشق دہد جان بگیر عیب کہ مور
برد بہ پیش سلیمان بخور و خویش فتوح

ای از ظہورِ نورِ تو کون و مکان پدید
از عرش تا بہ فرش ز نورِ تو آفرید
شمس و قمر مگوی کہ انوارِ انبیاؑ
اندر ظہورِ خویش ز نورِ تو مستفید

بر روئی ہر کہ بستہ سعادت درِ عطا
وقتِ دعا سپردہ بدربانِ تو کلید
شد در قیودِ سلطنتش گردن استوار
از ربقۂ متابعتت ہر کہ سر کشید

جان کز بدن چو آہوئے وحشی رمیدہ بود
بر بوئی مشک نافۂ زلفِ تو آرمید
تو بحرِ رحمتے و من آلودۂ گناہ
پاکم بشوئی ای ز تو پاکئی ہر پلید

ہر دیدہ را تحملِ دیدارِ دوست نیست
جز دیدۂ کہ وام کنند از تو اہلِ دید

از جام صافِ عیش کسے چاشنی گرفت
کز خُمِ عشق دُردیٔ درد تو در کشید

زانم چه غم که هر نفسم عمر کم شود
چون مهرِ تست در دل و جان دمبدم مزید

خواهد معین که حُسن تو بیند معائنه
خرسند تا بکی شوم از گفت و از شنید

ای تو سلطان دار ملک وجود
همه عالم طفیل تو مقصود

مرکزِ محورِ وجود توئے!
که به تو قائم ست هر موجود

اول و آخرِ بجان و به تن
ظاهر و باطنے بحشمت وجود

مبدأت از کجا ست منه بدا
منتهیٰ تا کجا الیہ یعود

زا دلت نام ازان محمدؐ شد
کامُنتَت راست عاقبت محمود

گر ملک سر کشد ز خدمت تو
هم چو ابلیس می شود مردود

شدکہ جامِ جهان نمای دلت
مظهرِ اسم شاهد و مشهود

جامِ جانت زدودہ صیقل عشق
از برائی ظہورِ نورِ شہود
تا نمودہ زجامِ ہستیٔ تو
ہر چہ بود ست وہست خواہد بود
می فرستد معین درود بہ تو
حق تعالیٰ زمن شود خوشنود

در جان چو کرد منزل جانانِ ما محمدؐ
صد در کشاد در دل از جانِ ما محمدؐ

ما بلبلیم نالان در گلستانِ احمدؐ
ما لولوئیم و مرجان عمّانِ ما محمدؐ

مستغرقِ گناهیم هر چند عذر خواهیم
پژمردہ چون گناهیم بارانِ ما محمدؐ

از درد زخم عصیان ما را چہ غم چو سازد
از مرہم شفاعت درمانِ ما محمدؐ

امروز خونِ عاشق در عشق اگر بدر شد
فردا از دوست خواہد تاوانِ ما محمدؐ

ما طالب خدائیم بر دینِ مصطفائیم
بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمدؐ

از امتانِ دیگر ما آمدیم برسر
وان را کہ نیست مادر برہانِ ما محمدؐ

ای آب و گِل سرودے دی جان و دل درودے
تا بشنود به یثرب افغانِ ما محمدؐ
در باغ و بوستانم دیگر مخوانِ معنّیٰ
باغم بس ست قرآن بستانِ ما محمدؐ

اگر لباسِ حدوثم بدر کنی چو شود
هزار سرِ حقیقت خبر کنی چه شود

بکوئی خسته دلائے که جان رسیده بلب
اگر برسمِ عیادت گذر کنی چه شود

که سر نهاد برین درکه در کشاده نشد
شبی بصدقِ برین در بسر کنی چه شود

دلا جمال خدا چشم سر نمی بیند
اگر بریدۂ سر یک نظر کنی چه شود

گر اعتدالِ هوائی محبتش خواهی
هوائی خویشتن از سر بدر کنی چه شود

بگو بعقل که تا چند شش جهت گردی
جهات را همه زیر و زبر کنی چه شود

بگفتمش چه سفرها معین برائی تو کرد
بگفت یک قدم از خود سفر کنی چه شود

نگر فصلِ بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد
نگر وصلِ نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد

بیا ہم چون خلیل امشب ز نارِ تن برون بنگر
کہ نورِ حق پدید ار از ہمہ ذرات عالم شد

ہزاران جام ہر لحظہ بکام دل ہمی ریزد
ازان دریا کہ یک قطرہ نصیبِ عرشِ اعظم شد

دلم را نالہ و افغان چو نی زان اصبعین آمد
کہ تقسیم ز نے باشد صدا اگر زیر دگر بم شد

چو در دل درد میدان شہ ز روح خویشتن و اللہ
ز غیب الغیب شد آگہ ولی کو حاضر دم شد

ملائک بہر یک قطرہ بماندہ چون صدف تشنہ
ہزاران بحر بے پایان نثار خاک آدم شد

دلِ بے غم ہمی خواہی دلِ غمگین بدست آرد
چو دل غمگین عشق آمد ز غمہا جملہ بے غم شد

اگر با یار خود باشی ترا دوزخ بهشت آمد
وگر بی یارِ خود مانی تراجنّت جهنم شد

الا ای ناصح عاقل صلاح از ما چه می جوئی
ترا شیخی نصیب آمد مرا رندی مسلّم شد

اگر با در همی داری زهستی سوئ مستی رو
قدحهائی خدائی بین که برمستان دمادم شد

مگر آن ساقئ وحدت نقاب از رخ برافگنده
که جام و باده یکسان گشت و بحر و قطره درهم شد

مرا می گفت کای عاشق بمعشوقی رسی آخر
بحمد اللّٰہ که از عالم نه رفتم تا که آن هم شد

چو بحرِ عشق موجی زد سحاب جود باران شد
وجود واجب و ممکن مثال بحر و شبنم شد

زهستی چون جدا گشتم حریم کبریا گشتم
چو من از خود فنا گشتم چه گویم هرچه گویم شد

معین را در صغر آنکس بہ منبر در سخن آورد

کہ در گہوارۂ طفلی قرین ابن مریم شد

چشم بکشائی که دیدارِ خدا جلوه نمود
دیده شو یکسر و بند دَرِ گفت و شنود

عکس رخسارهٔ ساقی بنمود از رخِ جام
هوش و آرام زمستانِ میٔ عشق ربود

ساقیِ عشق مرا روزِ ازل بادہ چشاند
تا ابد هر نفسم مستیِ دیگر بفزود

یا رب این مستیِ من زان میٔ بزمِ ازلست
یا ز هر لحظه بمن بادهٔ دیگر پیمود

دل چو آئینهٔ حق آمد و صیقل غمِ عشق
ای خوش آن دل که میٔ عشق غبارش بزدود

آن دلی کز ظلماتِ بشری یافت خلاص
عکس انوار خدا بود در و هر چه نمود

عکسِ حقی تو و عکسِ تو در آئینهٔ جان
عکسِ عکس تو یقین دان که همان عین تو بود

بادهٔ صافست مپندار که رنگین شده است
آن زهم رنگیٔ جامست که شد سرخ و کبود

عشق در دار بقا زد بدلم روزنه
تا که در تافت بقصر عدمم نور وجود

ذرهٔ هستی من از پی خورشید ازل
کرد ازین روزنهٔ کن فیکون میل صعود

موج دریایٔ قدم شبنم امکان برداشت
شد نهان غیب و شهادت همه در بحر شهود

از پس پرده همی داد نشان از من و ما
من و ما رفت همو ماند چو برقع بکشود

اول و آخرم و ظاهر و باطن همه اوست
که همو بود و همو هست و همو خواهد بود

عشق بی پرده همی باخت معین با رخ دوست
پیش ازاین کز من و ما نام و نشان نیز نبود

این چه سوداست که اندر سرِ ما می جنبد
این سر رشته ندانم ز کجا می جنبید

جنبشِ رشتۂ عشق از طرفِ تُست ازل
میلت اندر دلِ عشّاق چرا می جنبد

کششِ تست که کوه الم از جائی ببرد
دل نه کاهی ست که از باد و هوا می جنبد

جنبشِ سایه چو از جنبش شخص ست مدام
سایه از شخص مپندار جدا می جنبد

هر کجا شاخِ گل هست در اطرافِ چمن
همه از تقویتِ بادِ صبا می جنبد

دست از دامنِ عشق تو نخواهیم گذاشت
به خدا تا رمقی در تنِ ما می جنبد

نخلِ عشق تو بباغِ دل خود شاند معین
بین که در صرصرِ غم هیچ ز جا می جنبد

گر آهِ آتش یارِ من یک شعلۂ بیرون زند
این آتشِ پنہان علم بر گنبدِ گردون زند

سرِ نہان پیدا شود کون و مکان یکتا شود
دل غرقِ آن دریا شود کو موجہای خون زند

اے دل تو مشکوٰۃ وئی طغرای آیاتِ وئی
آئینۂ ذاتِ وئی کس پیشِ تو دم چون زند

از خندہ گر ریزد نمک بر ریش جان آید ہمہ
وز غمزہ گر خنجر کشد ہم بر دلِ محزون زند

واللہ کہ در رگہای جان چون شہد و شیر آرو دان
لیلیٰ چو تیرِ امتحان بر سینۂ مجنون زند

عشق اندر رای لامکان زد خیمہ اندر باغِ جان
از خلوتِ خاصی چنان کے تختِ خود بیرون زند

مفلس چو یابد گوہری پوشد زہر بد اختری
مسکین معین در ہر درے زان لعلِ دیگر گون زند

مرادر دل بغیر از دوست چیزی در نمی گنجد
بہ خلوت خانۂ سلطان کسی دیگر نمی گنجد

درونِ قصرِ دل دارم یکی شاہی کہ گر گاہے
زدل بیرون زند خیمہ بہ جبر و بر نمی گنجد

بصد رمندِ ہر دل خیالش کی زند تکیہ
کہ عہد کبریائی او بہر منظر نمی گنجد

تنت گرچند موئی شد حجاب جان بودوے را
میانِ عاشق و معشوق موئی در نمی گنجد

صفیر ہاتفِ غیبی بگوشِ مرغِ جان آمد
کہ در اوجِ ہوائے عشق بال و پر نمی گنجد

نفیِ ذات خود بودن ز اثباتِ صفات اولے
ترا افسر چہ کار آید چو این جا سر نمی گنجد

حسابِ عمر صد عاقل بہ محشر بگذرد یکدم!
حسابِ عمر یکدم عاشق بصد محشر نمی گنجد

رموزِ عشق اگر خواہی زلوحِ دل توان خواند
کہ حرفی از روایاتش بصد دفتر نمی گنجد

ز بحرِ عشق یک قطرہ ظہورِ سرِّ منصور یست
بطرفِ ہمتِ عاشق ازین کمتر نمی گنجد

بآن جامی کہ من خوردم نہان کے ماند اسرارم
شرابِ عشق در جوش ست در ساغر نمی گنجد

معینی گر ہمی خواہی کہ سرش بر زبان رانی
مقام آن سر دارست بر منبر نمی گنجد

مگر صبا ز سرِ کوئ دوست می آید!
کہ از زمین و زمان بوئے دوست می آید

چہ رشکہاست کہ از یاد می برم ہر شب
کہ روئ او زچہ بر روئ دوست می آید

زکوئ دوست چو عاشق کشیدہ دار دلے
کمندِ شوق ہم از موئ دوست می آید

وفا چگونہ کند عقل و ہوش با منِ مست
چنین کہ جام ہیا ہوئ دوست می آید

ہر انچہ آیدت از غیب نیک و بد منگر
ہمین بس است کہ از سوئ دوست می آید

ازین مصائبِ دوران منال و شادان باش
کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید

بیا بوعظ معینے رموزِ عشق شنو!
کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

فیض خدا کہ بر دلِ آگاہ می رسد
اے دل بہ ہوش باش کہ ناگاہ می رسد

بگذر ز فکر روزی و رزاق را شناس
بنگر چگونہ رزقِ تو دل خواہ می رسد

ای تشنۂ بوادیِ عصیان مبر امید
کامواج بحر رحمت اللہ می رسد

در باغِ جان شگفتہ شود صد گلِ مراد
دان نغمہ کز نسیم سحر گاہ می رسد

زد پیکِ عشق حلقہ سحر بر درِ دلم
آورد مژدۂ کہ شہنشاہ می رسد

در شاہراہ سینۂ در افتاد غلغلہ
گفتند شاہِ عشق ازین راہ می رسد

گفتم چہ پیش کش کنمش پیک عشق گفت
ہین با خضر بیار کہ از راہ می رسد

یعنی شرابِ اشک و کبابِ جگر بیار
با آه و ناله کز دلِ او آه می رسد

چون تحفه پیش بردم و اندر برم کشید
مانندِ کهربا که پرِ کاه می رسد

جائے که زاهدان بهزار اربعین رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آه می رسد

بی یار خود سفر مکن از هیچ حد معین
تنها مرو بباش که همراه می رسد

واقف آنست کہ دل واقفِ اسرار شود
جائے آنست کہ جان طالبِ دیدار شود

گنج مخفی چو بہ بازارِ ظہور آمدہ است
عارف آن بہ کہ ز خلوت سوئے بازار شود

ہیچ دانی زچہ زد خیمہ بصحرائے ظہور
تا رخش ز آئینۂ کون نمودار شود

وہ چہ دانم کہ درین واقعہ سرگردانم
چہ عجب گر جگرم ریش دل افگار شود

خلق گہ بہر ظہور اند چرا محجوب اند
ہیچ دیدی کہ حجب موجبِ اظہار شود

چون حجابش منم آخر ز میان برخیزم
تا ہمو دیدۂ دہبینندۂ دیدار شود

او در آئینۂ من چہرۂ خود می بیند
خود بدین واسطہ مطلوب و طلبگار شود

حاصل آنست کہ این مسئلہ بیجا ہیچ است
دین سخن مشکل اگر راست بہ دشوار شود

از چو خود عارف خود آمدہ ما محرومیم
بس نہان از کہ پدو برکہ پدیدار شود

قدرِ جوہر نشناسد مگر آن جوہرے
کہ صدف بشکند و خود دُرِ شہوار شود

پردۂ آب و گل از روئی دل و جان بردار
تا ہمہ ظلمتِ ہستیٔ تو انوار شود!

نیست اغیار کہ آئینۂ یارند ہمہ
تو ز آئینہ رخش بین کہ ہمہ یار شود

ہر کہ در بزم بقا جام بقا نوش کند
دست در حبل انا الحق زدہ بردار شود

عکس رخسارۂ ساقی چو فتد بر رخ جام
رُو بہ میخانہ کند زاہد و خمار شود!

هر کرا عقدهٔ زلفِ تو در آرد بکمند
بگسلد رشتهٔ تسبیح و بزنّار شود !

این چه رازست که از پرده برون می افتد
تا دلِ بے خبران واقفِ اسرار شود

یعنی آن لطف و عنایت که خداوند راست
چه عجب باشد اگر بنده گنهگار شود

چون بپرسیدن بیمار خود آئی سحری
تندرستان همه زین واقعه بیمار شود

تو بخوابی و سرِ یار گرفته بکنار
چشم بختت بود آن روز که بیدار شود

هر که چون نقطه نهد یک قدم از خود بیرون
اندرین دائرہ سرگشته چو پرکار شود

این همه باده که برجان معین پیمودے
دل سرمستش ازان نیست که هشیار شود

دگر کہ غمزۂ ساقی کرشمۂ فرمود !
کہ ہوش و صبر زمستان بزم عشق ربود

نہ عقل ماند نہ عشق و برفت ظلمت و نور
بسوخت آتش غیرت ہر آنچہ بود نبود

چو آفتاب محبت بتافت روشن گشت
کہ در برابر ہر ذرہ آفتابی بود

چہ صیقلیست ندانم شراب وحدت خاص
کہ زنگِ غیر بکلّی ز جام دل بزدود

ز زنگ غیر چہ جامِ دلم مصفّے شد
ز ذرہ ذرۂ من نور حق جمال نمود

حدیث خود بزبانم براہل مجلس گفت
بگوش مستمعان راز خود ز خود بشنود

کشادِ کار معانی ز قبض و بسط مجوی
بیا کہ ساقی وحدت سر سبو بکشود

راہ بکشائی کہ دل میل ببالا دارد
پردہ برگیر کہ جان عزم تماشا دارد
باز دل کز شرف قصرِ ازل کرد نزول
باز پرواز کنا میل ہمان جا دارد

دلم از عین عدم رفتہ سوئے قاف قدم
صعوہ را بین کہ ہوس صحبت عنقا دارد
من اگر خود نروم او کشدم جانبِ خود
ہم ازان سلسلۂ عشق کہ با ما دارد

گہ بخود خواند و گاہی ز خودم می راند
آہ ازین غمزہ کہ با عاشق شیدا دارد
حسنش اندر پس صد پردہ چنین جلوہ گرست
وای ز آن روز کہ آن چہرہ ہویدا دارد

گرچہ از جائی بر و نست و لیکن بخدا
کہ شب و روز درونِ دل ما جا دارد

عافیت چہرۂ دل دار عیان خواہد دید
ہر کہ آئینہ ز زنگار مصفا دارد
حسن آن ماہ چو خورشید پدیدست معین
محرم آنست کہ او دیدۂ بینا دارد

شرابِ ساقیِ ما مستی از جائی دگر دارد
که از یک قطره جمعی رازِ عالم بی‌خبر دارد

نه از جام ست این مستی نه از خم و نه از باده
ولی در چاشنی گیری بران لبها گذر دارد

به یک دم عقل و دین از سر نه دل ماند نه جان در بر
اگر آن ساقیِ دلبر نقاب از روی بر دارد

بغیرِ عکسِ انوارِ جمالِ خود چه می بیند
نگارِ من که در آئینهٔ جانم نظر دارد

نمی گوید که درویشم بیا یک لحظه در پیشم
نگاری کز پیِ خویشم چو حلقه در بدر دارد

کند بندم جدا از بند و دیگر هم نه نوازد
دلم گر ناله دارد چونی زین رهگذر دارد

چو طور از پرتوِ نورش دلم از مهر سرگردان
چه غم خورشید را گر ذره را زیر و زبر دارد

مبیند از از نظر زاہد مرا کین مفلس مسکین
گناہِ بیحد و طاعت بغایت مختصر دارد

چہ می دانے نوای غافل کہ شاید عاشق بے دل
مرادِ خویشتن حاصل بہ یک آہِ سحر دارد

سوئے جنت ہمی خواند مرا واعظ چہ پندارد
کہ عاشق میل جز معشوق خود جائے دگر دارد

کجا از مقصد صدقش بجنت سر فرود آید
کسی کاندر مفر عز جانان مستقر دارد

معّینی سر وحدت را نیارد بر زبان دادن
مگر سرش قلم گوید کہ در عالم دو سر دارد

صدف چون بہر یک قطرہ بروئے بحر می آید
چرا لب تشنہ چندین گہ بقعر بحر می آید

صدف غرقست در دریا و دریا خود ازان بہ اد
چو یابد قطرۂ دیگر دہانِ خویش بکشاید

صدف را تاب دریا نیست با قطرہ ازان سازد
چسان اندر کشد بحری کسی کش قطرۂ باید

صدف لب تشنہ در دریا البالب بحر می جوید
بقطرہ میل ازان دارد کہ بوئے بحر می آید

صدف از قطرۂ باران عطش را می دہد تسکین
چرا کین آب دریائے حرارت را بیفزاید

چو قطرہ ہر کہ بیرون شد ز دریائی وجود آخر
بسوئے بحر خواہد شد اگر سر بر فلک ساید

بخار از بحر انگیزد و شود ابر و فرد ریزد!
چو با دریا در آمیزد اگر دریا شود شاید

بحق او کہ در کسوت جمالش بہ توان دیدن
بشرط آنکہ زنگار از رخ آئینہ بزدآید
جمالِ دوست بے کسوت معیّنی کے توان دیدن
ہمان بہتر کہ در کسوت جمال خویش بنماید

گر پردهای آب وگل از جان و دل یکسو شود
از کسوتِ هر ذرّهٔ مهر دگر بیرون شود

هر کس که اندر سیرِ او حق بود قصد خبر او
یا بد وصال غیرِ او از زخمِ هجران خون شود

هر طالبی کانجا ز جان با عاشقان شد هم عنان
آنجا بر دگوی از میان بر ملک افریدون شود

سیر براق عاشقان در هم نورد و آسمان
بر هم زند کون و مکان تا حضرت بیچون شود

امروز من بر بوئی او سرگشته ام در کوئے او
فردا که بینم روی او دانی که حالم چون شود

بوئی زخمِ وحدتش ما را ز ما بیگانه کرد
یارب که ماند آشنا روزیکه می افزون شود

هر کس خورد رطلِ گران لابد شود سرش عیان
اسرارِ وحدت آن زمان در سینه کی مکنون شود

من مست آن پیمانه ام وز لوی او دیوانه ام
لیلی اگر هم خانه ام گردد چو من مجنون شود

او ساقی دستنش منم پیمانه در دستنش منم
در وی نگاهی می کنم تا کی رخش گلگون شود

چون می رخش گلگون کند دل ناله را افزون کند
او را چو خود مجنون کند تا حال دیگر گون شود

معشوق ما عاشق شود عاشق بمعشوقی رسد
او چون سوئی عاشق رود هنگام ناز اکنون شود

مسکین معینی تاکنون در شام غم مانده زبون
ایے ماه گر آئی برون استاره اش میمون شود

روزیکہ یار جام صفا پر زمی کند
عاشق دران وفا زجفا یاد کی کند
ساقی اگر ہزار شراب افگند بجام
عاشق ہمین مشاہدۂ حسن دی کند
حسنی کہ بہر ہر صفت آرد تجلئی
گر خاک مردہ ست کہ فی الحال حی کند
اسرارِ عشق در دمد اندر نئ دلم
خود نغمہا سراید و نسبت بہ نی کند
ہر بیخودیکہ مست خرامی کند روہت
کان عربدہ نہ مست کند بلکہ می کند
در وادئ طلب چو نہد پیک عقل پائے
دست قضا بہ تیغ فنا پاش پی کند
گر صد ہزار نامہ نویسد معین بجہد
مشکل اگر ز عشق تو یک حرف طی کند

هر کسی را در ازل رزقی مقدر کرده اند
وز برائی هر یکی کاری مقرر کرده اند

عشق را آمیزشی دادند با جان و دلم!
پیش ازان کاب و گلِ آدم مخمر کرده اند

عاشقان را زین پری رویان به زنجیر بلا
این چنین دیوانۂ زلف معنبر کرده اند

ای بسا دلها درون سینہ کاندر بزم عشق
زآتش سوز فراقش عودِ مجمر کرده اند

ای بسا مردان ره کاندر طریق جستجو
چون عجوزان چادرا و بار بر سر کرده اند

رَبِّ اَرِنِیْ فی همین سر بر زد از موسیٰ و بس
کین زمان هم طالبانِ از غیب سر بر کرده اند

للّٰه اے واعظا بجائے جنتم دعوت کُنی
کین گدا را وعدۂ انعام دیگر کرده اند

ساقیِ باقی دہد در بزمِ جان جامِ طہور
ہر دلی را کز غبارِ تن مطہر کردہ اند

نی بکامِ دل ہمی گنجد نہ اندر جامِ جان
بادہ کز بہرِ سرمستان بساغر کردہ اند

پرتوِ نورِ شہود افتاد در قصرِ وجود
کز شعاعش حجرۂ دل را منور کردہ اند

یا رب ایں معنیِ جان با صورتِ جانانِ ماست
آنچہ از وی خانۂ دل را مصور کردہ اند

عکسِ نورِ ذات بر مرآتِ جان شد منعکس
زین مرا یائی کہ با جنسش برابر کردہ اند

سر بسر ذراتِ عالم مظہرِ انوارِ اوست
جملہ را آئینہ دارِ حسن دل بر کردہ اند

جان ز مہرش عاقبت بیرون پرد زین دامِ تن
گرچہ مرغِ روح را بی بال و بی پر کردہ اند

جان کہ باشد تا کند عزم زمین بوسی ولیک
ذرہ را سرگشتۂ خورشید انور کردہ اند
گرچہ شاہان را بہ تخت و تاج زینت می دہند
جلوۂ مسکین معین بر تاج و منبر کردہ اند

نفحۂ عشق گر آن سوئی جہان می آید
بمشامِ دلم از عالمِ جان می آید

تازہ شو، اے دل پژمردہ کہ چون آب حیات
بحر جو دلیست کہ سوئ تو روان می آید

خیز اے عقل تو از چار سو و پنج حواس
کہ نگار من ازان راہ نہان می آید

ہم چو خورشید نما ردی کہ ذرات جہان
از زمین تا بہ فلک چرخ زنان می آید

دل کہ با یار نشیند برت ای جان چہ کند
بسکہ از صحبت اغیار بجان می آید

این ہمہ گل کہ بہ گلزارِ جمالت بشگفت
بلبلِ دل چہ عجب گریہ فغان می آید

آتشی ہست نہان در جگرِ سوختگان
آہ کان آتش پنہان بعیان می آید

زآتشِ غم که بکانونِ دل افروخته اند
یک زبانه ست که گاهی بزبان می آید

گرچه هر موی زبانی شود از سرِ نهان
بخدا گر سرِ موی به بیان می آید

رقمِ عشق کشیده است بطغرای وجود
هر چه اندر عدم آبادِ جهان می آید

هیچ کس نقطهٔ صفت خارج ازین دائره نیست
گرچه بیرون رود آخر بمیان می آید

هر چه از مکمنِ غیب آمده تا عالمِ خلق
هم چنانش که فرستاده چنان می آید

زاعتبارات تفاوت نکند اصلِ مراد
گر یکی کعبه و آن دیرِ مغان می آید

این چه سازست که در پردهٔ عشاق زنند
کز سماعش دل و جان رقص کنان می آید

حیف کین بے بصران تا بہ ابد بے خبر اند
زانچہ در دیدۂ صاحب نظران می آید

دم گرم بنگر و ز سر تحقیق بدان !
کاتشی ہست کہ دود از سرآن می آید

آتشِ عشق تو در جان محبّین افتاد است
وز دمش بوئ دل سوختگان می آید !

چنان از رو زان دل نور آن دلدار می تابد
که خورشید جمالش از در و دیوار می تابد

ازان از ظلمت تن میرہد جانم که ہر ساعت
مرا از مطلعِ دل لمعۂ انوار می تابد

اگر از خوابِ غفلت سر برآری آن زمان بینی
که خورشیدِ تجلی بر دل بیدار می تابد

چه حسن دوست ظاہر شد دل از کونین فارغ شد
چو جان محو مؤثر شد رُخ از آثار می تابد

مسلمانے مرا عشقست اگر منکر نۂ بنگر
چگونه نور تصدیقم ازین اقرار می تابد

جمالِ یار می خواہی بذرات جہان بنگر
که ہر ذرہ ستمرآتی کزو دیدار می تابد

مگر تاب آورد سر پنجۂ شیر تجلے را!
دلی کز عشق دستِ عقل دعوی دار می تابد

بنارِ عشق صوفی خرقۂ پشمین بسوز دیہ!
کہ از ہر موئے او صد رشتۂ زنّار می تابد

ز استغناش زخم لن ترانی می خورد موسیٰ
پس انوارِ تجلی بر کہ و کہسار می تابد

ز حسن دل ربائے ہر چہ می باید ہمہ دارد
ولیکن عاشقانِ خویش را بسیار می تابد

کجا گردد میسر فی الحقیقت ہوشیاران را
ہر آنچہ از سرِ مستی بہ دل خمّار می تابد

دلا اسرار مردان را مشو منکر کہ می ترسم!
شوی محروم از آن سر کہ بر اسرار می تابد

مکن باشندہ پوشان سر بزرگی کاہلِ دانش را
بزرگی از ورای جبّۂ و دستار می تابد

سخن بشنو معینی غم مخور از آتش دوزخ
کہ موسیٰ را جمالِ یار اندر تار می تابد

من چه گویم که مرا ناطقه مدہوش آمد
بر دلم ضابطۂ عقل فراموش آمد

سیل را نعره از انست که از بحر جداست
وانکه با بحر در آمیخته خاموش آمد

نکتها دوش دلم گفت و شنید از لب یار
نه که ہرگز بزبان رفت نه در گوش آمد

شاہد غیب کشا دست نقاب از رخ خویش
تو نۂ محرم ازان بہر تو روپوش آمد

زاہد از کوئ مغان پائ کشیدی امشب
بقدم رفت در آن کوچه و بر دوش آمد

شب ہجر تو که جان از بدنم کرد وداع
روز وصل تو دگر باره در آغوش آمد

سخن تلخ که چون می بلبت می گذرد
بر حریفان ہمه زہرست و مرا نوش آمد

چہ گہرہاست کزین سینہ برون می ریزد
بحرِ اسرار آلٰہی ست کہ در جوش آمد
ہر کرا ہوش و قرارست میش دہ ساقی
کہ معینی ز ازل بے خود و مدہوش آمد

عاشقان گرچه بصد پرده نهان آمده اند
باتو در مرتبۂ کشف وعیان آمده اند

از ورائی تتق غیب نمودی رخ خویش
کین اسیران بجمالت نگران آمده اند

مطربِ عشق توچون پردۂ عشاق نواخت
عاشقان نعره زنان جامه دران آمده اند

عاشقان مستِ جمالش نه که امروز شدند
هم چنانش که فرستاد چنان آمده اند

می پرستان پیٔ آن جرعه که برخاک فگن
مست در کوئی خرابات ازان آمده اند

عکس خورشید رخش تاخت چو برعرصۂ خاک
اندرین دیرِ فنا از پیٔ آن آمده اند!

بازاین روزنۂ کن فیکون ذرّه صفت
سوی خورشید رخش چرخ زنان آمده اند

وہ چہ جائی تنِ خاکی کہ دران بزمِ وصال !
عاشقان از دل و جان نیز بہ جان آمده اند

عشق از لامکان نزول کند
در دلِ عاشقان نزول کند

رُفتِ دردی بده که شاهِ جهان
اندرین خاکدان نزول کند

جان شود جمله قالب خاکی
جانِ جان چون بجان نزول کند

گنج را چون خرابه می باید!
دولت عشق ازان نزول کند

تو بدون روز درکه تاشه عشق
اندرین خان و مان نزول کند

هیچکس را ممان درین منزل
تاکس بیکسان نزول کند

چون دل از غیر دوست خالی شد!
لطف حق آن زمان نزول کند

پادشاهی ست در دل تنگم
که اگر در جهان نزول کند

هر دو عالم شود چو گرد و غبار
جمله در لامکان نزول کند

چست دل شاهباز عالم قدس
کی درین آشیان نزول کند

چون معین خاک آستانهٔ اوست
هم در آن آستان نزول کند

راه باریک ست شب تاریک و منزل دُور دُور
می دمد صبح قیامت خیز از ین خواب غرور

هم چو عیسیٰ خرم مستورگان غرب
چون خران تا چند باشی بپاگاه دستور

بلبل جانت ز گلزار وصال آمد و لیک
در قفس با خارِ ہجران گشتہ قانع از ضرور

جان و دل اندر لباس آب و گل گشتہ پدید
حسنِ معشوق از جمالِ عاشقان کردہ ظہور

در حریم حرمتش ما و منی را بار نیست
ما و من غیر ند و خلوت خاص و سلطان بس غیور

کی کشاید دستِ غیرت در بروئی ہر کسی
تا نگیر داز خود و خلقِ جہان یکسر نفور !

درِّ وحدت تا ز قعر بحر عشق اید بکف
اول از دریائی ہستی بایدت کردن عبور

عودِ دل در مجمرِ سینۂ بنارِ غم بسوز
بزمِ قدسی را معطر ساز از عطرِ بخور

چون نسیمِ عشق بکشاید نقاب از روئی دوست
عاشقان را میل کی ماند سوئے حور و قصور

من ازان جامیکه در روزِ ازل نوشیده ام
هم چنان سرمست خواهم بود تا روزِ نشور

جرعۂ زین بادۂ جان بخش گر ریزی بخاک
های و هوئے عشق بر خیزد وز اموات قبور

روزِ اول خود دمیدی جان به تن بے واسطه
روزِ آخر هم تو خود دم جان من بی نفخِ صور

ظلمتِ کثرت به جنب نورِ وحدت گشت محو
سایۂ امکان بر فت از پر تو الله نور

نعرۂ منصور بر می خیزد از ذراتِ من!
این چه باده ست این که می انداز دم در شر و شور

خم وحدت صد ہزاران رنگ ایک رنگ ساخت
غیب حاضر گشت و حاضر گشت غائب در حضور
گر دل مسکین معین از جا دَوَدْ و معذور دار
چون ندارد تاب انوار تجلّے کوہِ طور

ای ترا بر طورِ دل ہردم تجلّے دگر
طالبِ دیدار را ہر گوشہ موسیٰ دگر

یک دو حرفی خوانده ام در پیش استادِ ازل
تا ابد بر دل رسد ہر لحظہ معنیٰ دگر

چند فرمائی بترکِ دنیا و میلِ بہشت
کان بہشتِ خلد پیش ماست دنیائے دگر

رُوحِ قدسی گر مدی دی بزادی در جہان
ہر دو روز مریم ایام عیسٰے دگر!

در ازل قاضیٔ عشقم داد منشورِ بقا
لاجرم آمد معیّن دگر دعویٰ دگر

وہ کہ بر پائی صنوبر می نہد شمشاد سر
زلف یار من مگر بر پائی او بنہاد سر

مے کشم جور ترا تا سر بہ پیچم در کفن
حاش للہ کان زمان ہم پیچم ار بیداد سر

زاہدم می کرد منع سجدہ در پیشِ بتان
روئی یارم دید واز شرمش بپیش افتاد سر

بر سر بر شادمانی خفتہ شیریں را چہ غم
شام ہجران بر پلاسِ غم نہد فرہاد سر

کار گر افتاد تیرت دوش برجانِ معین
تا سحر نالید مسکین عاقبت بنہاد سر

ذرّهٔ از اثرِ مهر نشد فاش هنوز
تو چه دیدی ز هوا داری ما باش هنوز

آفتابیست که خورشیدِ فلک سایهٔ اوست
چون کند جلوه در آئینهٔ خفاش هنوز

ایکه در صورتِ نقش این همه حیران شده
باش تا جلوه کند چهرهٔ نقاش هنوز

چون صدف غوطه بدریا زن و لب تشنه برائے
وز عطش در طلبِ قطرهٔ ما باش هنوز

او ز ما بر طرف از ناز و دلم می گوید
که نهانی نظری هست سوئے ماش هنوز

از لگد کوبِ فراقِ تو شدم خاک چو گرد
از سرِ کوی تو بادم نبرد کاش هنوز

با حریفِ غم تو هر دو جهان باخت معین
نقدِ جان می طلبد از منِ قلاش هنوز

یاره در بر روی اصحاب طلب بگشاد باز
هیبت مُلکِ من تائب اندر جهان در داد باز

رخ نمود و دل ربود و باز اندر پرده شد
داغِ دیگر بر سرِ داغِ کهن بنهاد باز

رختِ هستیِ مرا بر آتشِ هجران بسوخت
خرمنِ عمرِ مرا بر بادِ غم بر داد باز!

از یمین و از یسار قلبِ من در تاخت عشق
عقلِ مغلوبِ مرا آخر در خلاب افتاد باز

گفتمش رخ باز کن گفتا بخواهی سوختن
گفتم از سوزم بسازم هرچه بادا باد باز

شهرِ معمورِ دلم کز سیلِ هجران شد خراب
شاید از معماریِ وصلت شود آباد باز

بازِ جانِ من که شد محبوسِ دامِ آب و گل
گر بخود خوانی شود از قیدِ تن آباد باز

گفتمش عکسِ جمالت چون مرا موجود کرد
تا بنامم زنده زان فوتم ببـاید داد باز
لمعۂ از پرتوِ نورِ تجلے از د علم!
طورِ ہستیِ مرا بر کند از بنیاد باز

گفت با ہستیٔ من لاف از وجودِ خود مزن
کی توان کردن دکان بالا تر ا استاد باز
درطریقِ جستجو از عاشقی منشین معین
در رہِ فقر از طلب کی می توان استاد باز

مرا ز ہر دو جہان دولت وصالِ تو بس
وصال چیست کہ آمد شدِ خیالِ تو بس

بصدرِ مسندِ شاہی وصول ممکن نیست
گدائی راہ نشین را صفِ نعالِ تو بس

چو چنگ زخمۂ غم می خورم ز عشق و خوشم
نوازشم ز ہمین زخمِ گوشمالِ تو بس

چو جامِ دل ز جمالِ تو گشت عکس پذیر
نگاہ جلوہ دل آئینۂ جمالِ تو بس

کمالِ دوست چو تکمیلِ ناقصات کند
تو ناقصی و ہمین ناقصی کمالِ تو بس

اگرچہ دادا طَعنًا نمی توان دادن
ولی قبولِ سَمِعنَا در امتثالِ تو بس

معینا ز چہ دارا الجلال می طلبی
تو عاصئ و ترا لطفِ ذوالجلالِ تو بس

مانمی گوئیم نعمت یا بلا خواهیم و بس
بلکہ ما دائم رضائے دوست را خواہیم و بس
گر رضائی دوست ما را در بلا خواہد رسید
ما ہمیشہ خویشتن را مبتلا خواہیم و بس
خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواہند و ما
از خدا صبر جمیل اندر بلا خواہیم و بس
زاہدان این جا عمل خواہند و در عقبیٰ بہشت
این نمی خواہیم و آنہم با خدا خواہیم و بس
ہر کسی از تو بقدرِ خود مرادی خواستند
ما مرادِ خویشتن از تو ترا خواہیم و بس
ہر کسی خواہد کہ ماند در جہان باقی ولیک
ای معینی ما فنا اندر فنا خواہیم و بس

دل ز سوزِ عشق و داغِ یار یابد پرورش
چون زرِ خالص که اندر نار یابد پرورش
آهِ دردآلود هر شب تا فلک خواهم رساند
کز نسیمِ صبح دم گلزار یابد پرورش
دل ز نخلِ قامتش در زیرِ بار آمد ولیک
میوه آن بهتر که اندر بار یابد پرورش
اصبعینِ عشق اندر دل تصرف می کند
خوش دلی کاندر کفِ دلدار یابد پرورش
سرِ پنهان کی تواند کرد پیدا پیشِ خلق
آنکه اندر پردهٔ اسرار یابد پرورش
وآن که در دارِ وجودش غیرِ حق دیار نیست
هم چو منصور آن زمان بر دار یابد پرورش
وحدت اندر صورتِ کثرت نماید جلوهٔ
نقطه اندر کسوتِ پرکار یابد پرورش

در گلستانِ حقیقت چون گل نو بادهٔ !
گل میانِ صد هزاران خار یابد پرورش
ای معین از سرزنشهائی حسودان غم مخور
چون دلِ عشاق از آزار یابد پرورش

اگر بی پرده نتوانی که بینی پرتوِ ذاتش!
بذراتِ جهان بنگر که هر ذره ست مرآتش

جمالِ حق ز مرآت صفاتش می کند جلوه
صفت در کسوتِ افعال فعل از عین آیاتش

چو سمت مظہر جانست و جانب مظہرِ اعیان
چو اعیان مظہرِ اسما و اسما مظہرِ ذاتش

تجلی طور را اگرچه ز ہیبت ساخت صدپارہ
ولیکن تا ابد تا بد جمالِ حق ز ذراتش

من از کنج خراباتی جمالی دیدہ ام واللہ
کہ چندین سال می جستم بہ محراب مناجاتش

مرا از یک دو جام می چنان حالی بدست آمد
کہ صد سالک نخواہد یافت در طی مقاماتش

معین را عشق بُرد از رہ دریغ از فہم و دانائی
وزان تحصیل بے حاصل کہ ضائع کرد اوقاتش

بنہ سر بر خط فرمان و خطی در جہان درکش
بشو لوح من د ما را قلم در این و آن درکش

بر د پائی ہوا پی کن ہوائی صحبت دے کن
بساط نہ فلک طی کن قدم در لامکان درکش

تو شہبازان یا ہو را مخوان در باغ خود حور را
برو مرغِ ہوا جو را بدامِ امتحان درکش

مرا بُرد اُو بہ میخانہ کہ ای سرمست دیوانہ
بگیر این رطل و پیمانہ بیادِ من روان درکش

چہ باعث شد سلیمان را کہ گوید مور بے جان را
بدریا رو نہنگان را بہ یک دم در دہان درکش

چو وادی جام منصورم فگندی در شر و شورم!
چہ میدانی کہ معذورم چہ می گوئی زبان درکش

منم گوئی تو چوگانی منم مرکب تو سلطانے
مرا ہر سو تو میرانی دمی گوئی زبان درکش

بگردت مست و دیوانه برفتم هم چو پروانه
مرا ای شمعِ فرزانه بگیر اندر میان درکش

اگر خواهی تو بنمائی به عالم حسن و زیبائی
مرا مجنون و شیدائی ببازارِ جهان درکش

دران روزے کہ بنمائی جمالِ خود بہ مشتاقان
معین را سوز چون سرمه به چشمِ عاشقان درکش

تا دل نگشت غرفهٔ دریائی من عرف
نادر و چون صدف گہر معرفت بکف

ہر کس نہد بہ خاکِ درش رخ چو آفتاب
بر تارکِ سپہر نہد پایۂ شرف

ریحان و گل بہ روضۂ جانست قوتِ دل
در شورہ زار تن نہ کند میل ہر علف

موسیٰ روح را چہ غم از اژدہائی نفس
چون از جنابِ قدس رسد وحیِ لاتخف

انسان نہ این سلالۂ آب و گلست و بس
در سلکِ دُر کسی نکشد مہرۂ خزف

از صد ہزار قطرۂ باران یکے مگر!
گوہر شود بہ تربیت اندر دلِ صدف

سرمایۂ حیات متاعیست بے بہا
مپسند کان بہرزہ شود رائگان تلف

صیتِ یُحِبُّہُم وَیُحِبُّونَہٗ زچیست
گر نیست ابتدائے محبت ازان طرف

در انتظارِ مقدمت از نورِ کبریا
بر کنگرِ جلال کشیدہ ہزار صف

گر صد ہزار تحفہ رسد از تو ہر دمم!
مقصود ما توئی وطفیلست آن تحف

ہر دم معینؔ کشادہ ز دل صد خدنگ آہ
لیکن چہ چارہ گر نہ رسد تیر بر ہدف

حمدی کہ بر صحائف اطباق نہ فلک
توقیع بر کشیدہ کہ الکبریا ملک

حمدی کہ خود رقم زدن بر صفحۂ قدم
کان را بہ ہیچ حادثہ ممکن نگشتہ بک

حمدی کہ در تصدی او فاز من ہدے
حمدی کہ در تخلف او خاب من ہلاک

حمدی کہ جوہریش زند سکۂ قبول
روزی کز امتحانش دہد جلوہ بر محک

ذاتِ خدائی ہر دو جہان را سزد کہ ہست
بر طبق مدعاش مسجل ہزار صک

ذرات کائنات زبان بر کشادہ اند
اندر ادائی نکتۂ توحید یک بیک

بر ذات پر کمال تو دادر دلالتے
آیات کُن فکان زسما گیر تا سمک

با تست و بس معاملۂ نیک و بد ازان که
وہاب بی رجوعی و بیتاع بے درک

عکسِ جمالِ تست در آئینۂ حواس
یک رنگ گشته در نظرِ حسنِ مشترک

روزِ ازل بگِردنِ آدم فگند عشق
قیدِ محبتے که مرآن را مباد فک

لاف از کمالِ نحنُ نسبّح کجا زدے
یک نکته گر زعشق شدی کشف بر ملک

گر نغمۂ زعشق شنیدی سماعِ چرخ
در رقصِ خویش خرقه در انداختی فلک

مفتیٔ شرع منکرِ عشق ست از و بپرس
زان سگ که گشت محو نمک سار شد نمک

گو سگ نمانده است و بکلی نمک شده است
ہر کس که نیست باورش این نکتۂ بمک

از ساکنانِ مدرسہ تا پیرِ خانقاہ
گر درکِ این سخن نکند رفت تا درک

جائیکہ نورِ مطلع حق الیقین بہ یافت
زآئینۂ دلش کہ زداید غبار شک

ہرچند ناکسم سگ اصحاب دولتم
گنجم مگر بفضلِ تو در سلکِ مَنْ سَلَکْ

یارب معیّن جوی زعمل نیستش ولیک
دارد ز فضل تو طمع صد ہزار لک

من دُری بودم نہان در قعرِ بحرِ لم یزل!
عشق غواصانہ ام آوردبیرون زان محل

من دُرِ دریائے عشقم چند مانم در صدف
من چو مرآتِ خدایم چند باشم در بغل

از صدف آیم برون بر تاجِ عزت جا کنم
نور گیرند از فروغم ماہ و خورشید و زحل

من غلامِ ردی یارم گرچہ ماہم در جہان
من گدائے کوئے عشقم گرچہ شاہم فی المثل

گر کند دستِ اجل قصرِ وجودم خشت خشت
اصلِ بنیادِ محبت ہیچ نہ پذیرد خلل

دل زمن بردی و گفتی در بدل وصلت دہم
چون مبیع خود پسندیدی چرا ندہی بدل

من چو از اہلِ دلم فانی نہ خواہم شد زمرگ
چون نویدِ وصل می آرد چہ ترسم از اجل

طالبان در خورِ خود ہر یک مرادی خواستند
عاشقان دیدارِ یار روز اہدان حسن عمل

سرِ عشق از عرش و فرش و لوح و کرسی حل نشد
ای معینی کی توان کردن بیان در یک غزل

مراز دیدۂ ودل ہر زمان درود دمادم
نثار روضۂ پر نورِ صدر و بدرِ دو عالم

چہ مظہرست کہ مبعوث شد براول وآخر
بظاہرست موخر بباطن ست مقدم

بصورت از لبشر آمد ولی زروئے حقیقت
زفرق تا بہ قدم رحمتِ خداست مجسم

بہ عالمِ دل وجان بود شاہِ تختِ رسالت
میان مکہ و طائف ہنوز قالبِ آدم

بروز حشر بہ ظلِّ لوائی او شدہ واثق!
بسان امت او جملہ انبیائے مکرّم

نہادہ باقیٔ عزت شب دَنیٰ فَتَدَلّٰے
فرودِ پایۂ جاہش وثاقِ عیسےٰ مریم

چو از دلیٰ زدہ بیرون قدم زمصعد اد نے
بیک دو گام گذشتہ از اوجِ طارمِ اعظم

اگر نہ شورِ سرورِ ظہورِ نورِ تو باشد
فروغِ عیش کہ بیند درین سرچۂ ماتم

طفیلِ ذاتِ تو ہژدہ ہزار عالم ازان شد
کہ پیشِ بحر ندارد وجود قطرۂ شبنم

ز ابرِ جود چو شد فیضِ رحمتت متقاطر!
فضائے روضۂ جان شد زمین فیضِ تو خرم

ہزار غم ز گناہ ہست بر دلِ من و ہردم
فزودہ ام غمِ دیگر ہزار بار بران غم

بہ عذر خواہیٔ ما بر کشائی لب بہ شفاعت
کہ دل پرست ز درد و لب تو حقۂ مریم

معینؔ چہ تحفہ فرستد بغیرِ اشک ز دیدہ
کند درود پیاپی روان بسوئے تو ہردم

اندر آئینۂ جان عکس جمالے دیدم
ہمچو خورشید کہ در آب زلالے دیدم

خیرہ شد دیدۂ عقل از لمعاتِ رخِ دوست
با وجود از پس صد پردہ خیالے دیدم

این چنین نور کہ در آئینۂ جان بہ نمود
عینِ ذاتست ولیکن بمثالے دیدم

من اگر والہ و مدہوش شوم معذورم
کہ در آئینہ عجب حسن و جمالے دیدم

عاشق و مست من از روز الست آمدہ الم
عقل و ہشیاریٔ خود امر محالے دیدم

ہستیم رفت و کنون ہستیٔ مطلق باقیست
این ہمہ ہجر بامید وصالے دیدم

بزم وحدت کہ مرا تنگ تر از تنگ نمود
چون ز تنگی بگذشتم چہ مجالے دیدم

در بیابانِ ہوایت ہمہ ملک وملکوت
کمتراز پشّہ کے بے پروبالے دیدم
تا معیّن ذرہ صفت رفت پئی نورازل
نہ طلوع و نہ غروب و نہ زوالے دیدم

سوئے من آ کہ ترا یار و وفادار منم
ہر چہ داری بمن آور کہ خریدار منم
گر تو شاہی و دولت عزم تماشا دارد
برِ من آی کہ باغ و گلِ گلزار منم
وگر از رنج معاصی دلِ تو گشتہ ملول
سوئے من آ کہ طبیبِ دلِ بیمار منم
نہ ہمین صاحبِ سجادۂ خلوت گاہم
ساقیٔ میکدۂ و مطربِ خمّار منم
اے کہ در صومعہا در طلبم می پائے !
گو بروں آئی کہ اندر سرِ بازار منم
ہوسِ خرقہ صد پارہ و تاجِ دیباج
بنہ از سر کہ ترا جبہ و دستار منم
بے دلی گم کن و از بیکسیٔ خویش منال
کہ ترا در ہمہ جا دلبر و دلدار منم

تو بہر معرکہ از رازِ دلِ خویش مگوی!
کہ بخلوتگہِ جان محرمِ اسرار منم

تا بکی نقطہ صفت دائرہ می پیمائی
تو چو مرکز بہ نشین گرد تو پرکار منم

گوہرِ معدنِ صورت خزفِ ہستی ست
درتگِ بحرِ معانی دُرِ شہوار منم

ہیزمِ شخصِ معین سوخت چنان زآتشِ عشق
کہ شدم اخگر و گفتم کہ مگر نار منم

بکشائے پردہ از رخ بر دار ہستیم
حسنی بہ من نمای و بیفزای مستیم

محروم گشتم از طیران در فضائے قدس
تا بال جان بہ رشتۂ قالب ببستیم

شہباز آشیانۂ قدسم گہ عروج
گر قیدِ تن فرو نکشد سوئے پستیم

واعظ ز کوئے دوست سوئے جنتم مخوان
بنگر کہ از کجا بہ کجا می فرستیم

من مست و می پرست نہ امروز گشتہ ام
سرمست و بے خود از مئی بزمِ الستیم

من در جمالِ بت رخِ بتگر بدیدہ ام
توحید مطلق ست کنون بت پرستیم

در بحرِ آشنائی او غرق گشتہ ام
اے خضر تا سفینۂ ہستی شکستیم

دل ذرّه ذرّه گشت ز نورِ تجلیت
لیکن ز ہر شکست بود صد درستیم
نورِ ظهورِ ساقیٔ باقی کند طلوع
چون جامِ دل زدوده شد از زنگ ہستیم
بگذار تا روم ز جہان آستین فشان
کز آبِ دیده دست ز عالم بشستیم
برخاست شغلِ شادیٔ و عیش از دلِ معین
تا در درونِ سینهٔ محزون نشستیم

من یارِ ترا دارم اغیار نمی خواہم
غیر از تو کہ دل بردی دلدار نمی خواہم

خاری کہ زد در دِ تو خست است مرا در دل
من خستۂ آن خارم گلزار نمی خواہم

گر جلوہ دہی بر دل نقدِ دو جہان گویم
من عاشقِ دیدارم دینار نمی خواہم

سری کہ مرا با تست با غیرِ تو چون گویم
تو دانی و من دانم اظہار نمی خواہم

اندر حرمِ جانم کس را نبود منزل
غیر از تو درین خلوت دیار نمی خواہم

خون می خورم از دستت وآزار نہ پندارم
کان خاطرِ نازک را آزار نمی خواہم!

من بادہ نمی نوشم اما چو توئی ساقی
اندر تنِ خود یک رگ ہشیار نمی خواہم

عاشق کہ ترا خواہد با غیر نیارامد
جنات نمی خواہم وانہار نمی خواہم
دنیا طلبد غافل عقبیٰ طلبد عاقل
من عاشقم و بے دل جز یار نمی خواہم
از ہستیٔ خود بگذر بگذار معین افسر
جائی کہ نہ گنجد سر دستار نمی خواہم

اے نورِ عشقت تافتہ اندر سویدائی دلم
بگرفتہ نورِ عشقِ تو پنہان و پیدائے دلم
بنمود نورِ ذوالمنن چون آتش از نخلِ بدن
اسرارِ خود گفت او بمن بر طورِ سینائے دلم
درتافت نورِ طلعتش از آسمانِ عزتش
بگرفت نورِ وحدتش مجموع اجزائے دلم
مسکین دلم بدخوی شد جیائی آن مہ روی شد
رَبِّ اَرِنی گوئی شد بے چارہ موسائی دلم
موسیٰ درآن روز نبرد از لن ترانی زخم خورد
دل ہیچ اندیشہ نکرد ائی وائے صد وائے دلم
ہر کس بخود آمد بدر آن زخمش آمد بر جگر
دل چون زخود آمد بدر او گشت جویائے دلم
دل در پئی روئے نکو می رفت ہر دم کو بکو
تنہا و قیدِ زلفِ او زنجیر بر پائے دلم

نور تجلّی صبح دم از مطلعِ دل زد علم !
نورش فزون شد رم بدم بگرفت صحرائے دلم
من سوئے او بشتافتم وین پردہا بشگافتم !
الحمد للہ یافتم مقصود و مدعائے دلم
گفتم چو یابم زو خبر آرام گیرد دل ببر
چون دیدمش شد بیشتر فریاد و غوغائے دلم
در مجلس مسکین معین یکدم نشین صد دُرِ تحسین
بنگر چہ دُرہائے ثمین وا دست دریائے دلم

صفات وذات چو از ہم جدا نہ می بینم
بہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم
مگو کہ دیدۂ حادث قدیم کی بیند
ہمین بس ست کہ من خویش را نہ می بینم
ترا چو آئینہ تیرہ ست چشم نابینا
مخور فسوس کہ من ہم چرا نمی بینم
زمن مپرس کہ آن آہ ماہ را کجا دیدی
چو من زجائی برفتم بجانہ می بینم
بہر بلا کہ تو خواہی بیا زمائے مرا
کہ در مشاہدۂ تو بلا نمی بینم
زمن بہر چہ کنی یا درا ضیم حقا!
کہ ہر چہ از تو رسد تو جز عطا نہ می بینم
بہر طرف کہ مرا می بری بحمد اللہ
کہ خویش را از تو یک دم جدا نہ می بینم

عروجِ جانِ معنی بر اوجِ او ادنیٰ
بجز متابعتِ مصطفیٰ نمی بینم

تا من باو پیوسته ام از غیر او ببریده ام
من حلِ عقدهٔ عقل را دریک گره پیچیده ام

ترسم نه از دوزخ بود بیمم نه از برزخ بود
امید و بیم زو بود از غیر نندیشیده ام!

با مالکِ دوزخ بگو کز من مرادِ خود مجوی
هر لحظه من از عشقِ او در دوزخ سوزیده ام

اے حور و رضوانِ جنان در پرده پنہان شو از آن
کامروز از عینِ عیان من حسنِ دیگر دیده ام

از حور خواہم نہ ملک نہ عرش جویم نہ فلک
اینہا نخواہم یک بیک عشقِ دگر ورزیده ام

شہباز عشقم در زمین نہ مرغکی ام دانہ چین
از بہرِ صیدی این چنین از دستِ شہ پریده ام

یا بلبلے ام گل طلب اندر گلستانِ عرب
ہر دم بہ بستانِ عجب از بہرِ گل نالیده ام

تا دلبرِ گلگونِ من وان لیلیٰ موزونِ من
گفتا کہ اے مجنونِ من من گوشۂ بگزیدہ ام

تا ہم نمی آرد یقین نہ آسمان و نہ زمین
با رفعتِ قدرِ چنین اندر دلت گنجیدہ ام

گہ مرکزی ام درمیان گہ نقطۂ ام بی نشان
گاہی چو پرکارِ روان در گردِ تو گردیدہ ام

داد اُو مرا پیمانہ ہا کردم تہی خمخانہ ہا!
وز ترس این بیگانہا خاکی بلب مالیدہ ام

نے ہرزہ می گوید معینؔ برخیز و نزدیکم نشین
بو کن دہان من ببین تا از چہ می نوشیدہ ام

ما بہ فکرش از بہشت و حور و غلمان فارغیم
از نعیم ہر دو عالم بہر جانان فارغیم

قوت از خوان اَبِیتُ عِندَ رَبّی خوردہ ایم
آن غذا نوشیدہ ایم از آب و از نان فارغیم

طفل جان را دایۂ لطفِ ازل می پرورد
لاجرم از زہد و شہد و شیرِ پستان فارغیم

ہم چو لالہ داغہا بر دل نہادم تا کنون
ہم چو گل در باغِ وصل از داغِ ہجران فارغیم

ما کزان لبہا حیات جاودانی یافتیم
از طلب گاری خضر و آب حیوان فارغیم

واعظا عشاق را خوش نیست ترغیبِ بہشت
ما بدیدارش ز باغِ خلد و رضوان فارغیم

طائر عشقیم کز قید طبائع جستہ ایم
دام تن بگسیختہ وز دانۂ جان فارغیم

ما چو بیرون رفته ایم از تنگنائی کن فکان
در فضائے لامکان از ضیق امکان فارغیم

عارفان را چون نظر بر عینِ معروفست و بس
از وسائط در ظهورِ نورِ عرفان فارغیم

ما کہ از عین الیقین حق الیقین را دیده ایم
از دلیل ظنی و تشکیکِ برہان فارغیم

چونکه در غیبِ ہویت اعتبارِ غیر نیست
از ظہورِ اسم در مرآتِ اعیان فارغیم

ہر چہ دیدم یا حجابِ اوست یا خود عینِ اوست
لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایمان فارغیم

ما بہ پشتی گرم بار از امانت می کشیم
وز ظلومی و جہولیہائے انسان فارغیم

چون کہ سلطان جہان در حکم و در فرمان ماست
از گزند حاجب و تہدید دربان فارغیم

حاجبی اندر میان عاشق و معشوق نیست
ما بجانان واصلیم و از رقیبان فارغیم
در ملامت ای معین خلق آن چه خواهد گو بگو
ما کنون از مدح و قدح جملهٔ خلقان فارغیم

من نہنگِ بحرِ عشقم تا بکی دم در کشم
کشتیٔ تن بشکنم نقدِ دو عالم در کشم

ساقیا از ساغرِ جان بادۂ وصلت چشان
تا بکی از خونِ دل جامِ دمادم در کشم

خون شد چشمم براهش اے صبا گردی بیار
تا بجائے سرمہ اندر چشم پر نم در کشم

روحِ قدسی سجدہ آرد پیشِ آن حسن و جمال
گر نقابِ آب و خاک از روئے آدم در کشم

در درونِ قصرِ تن بر تختِ دل سازم مقام
طیلسانِ استوارِ عرشِ اعظم در کشم

گر کشم دستِ طمع از آستینِ ہر دو کون
پائے در دامن بر اوجِ ہفت طارم در کشم

گر فتگا فم دلقِ ہستی را بہ مقراضِ فنا
رشتہ کی در سوزنِ عیسیٔ مریم در کشم

پای کوبان میروم سوئے فلک تازان نشاط
جامۂ ازرق زدوش اہل ماتم درکشم
پرسیم تا عقل را برعشق دعوی می رسد
من برین توقیع فی واللہ اعلم درکشم
ساقیا اہلِ طرب را جامِ شادی دہ کہ من
درمیانِ دُرد نوشان دردئ غم درکشم
دم بہ دم نالئ عشقش در معینی میدمد
فاش خواہم کرد تا رازش تا بہ کے دم درکشم

ترا می خواہم اے دلبر کہ بینم
توئی مقصودِ من در ہر کہ بینم

مرا چشم از برائے دیدنِ تست
تو رخ ننمائیم پس در کہ بینم

جمالِ ساقیِ من می نماید
بمرآتِ می و ساغر کہ بینم

چنانت دیدہ ام از دیدۂ و دل
کہ نشناسم بہ چشم سر کہ بینم

ہزاران در ز دل سویت کشادست
ترا می بینم از ہر در کہ بینم

رخت گر بینم ورنہ بمیرم
چہ خواہم مرد آن بہتر کہ بینم

معین امروز می خواہد وصالش
ندارد صبر تا محشر کہ بینم

این منم یارب که اندر نورِ حق فانی شدم
مطلعِ انوارِ فیضِ ذاتِ سبحانی شدم

ذره ذره از وجودم طالبِ دیدار گشت
تا که من مست از تجلیہائے ربانی شدم

زنگِ غیرت را ز مرآتِ دلم بزدود عشق
تا بکلّی واقفِ اسرارِ پنہانی شدم

من چنان بیرون شدم از ظلمتِ ہستیٔ خویش
تا ز نورِ ہستیٔ او آن که میدانی شدم

گر ز دودِ نفس ظلمت پاک بودم سوخته
ز امتزاجِ آتشِ عشقِ تو نورانی شدم

خلق می گفتند کین ره را بدشواری روند
ای عفاک الله که من باری بآسانی شدم

دمبدم روح القدس اندر معیّنی میدمد
من نمیدانم مگر من عیسیٔ ثانی شدم

چو من ز بادهٔ عشق تو مست و بی خبرم
همه جمالِ تو بینم بهر چه در نگرم
تو هر حجاب که خواهی فرو گذار که من
به نعرهٔ که زنم صد حجاب را بدرم
چو در میانه نماند حجاب مانع چیست
که پر برآرم و از هفت چرخ درگذرم
چه جای هفت فلک کز فرازِ طارم عرش
هزار منزل دیگر به یک قدم سپرم
چو ارز نیست برم هفت چرخ و هشت بهشت
سزاست گر دو جهان را به نیم جو نخرم
درخت عمرِ مرا بر امیدِ دیدنِ تست
اگر بغیرِ تو بینم ز عمر بر نخورم!
معین نظر ز خدا یافتست ای والله
که عرش و فرش ندارند تاب یک نظرم

تو خاصہ زما باش کہ ما نیز ترائیم
در ہر دو جہان مقصد و مقصود تو مائیم

گر یک قدم از کوئے طلب سوئ من آئی
من صد قدم از راہِ کرم پیش توائیم

ما گنج نہانیم و تو مفتاحِ فتوحی
ہم از تو برائے تو درِ گنج کشائیم

ما بر صفتِ خویش ترا جلوہ نمودیم
تا ز آئینۂ ذاتِ تو خود را بنمائیم

تو آئینۂ صافی و ما نیز چو خورشید
در آئینہ تابیم و حرارت بہ فزائیم

چون زنگِ گِل از آئینۂ دل بزدودند
جان نعرہ برآورد کہ ما نورِ خدائیم

جز نورِ جمالِ تو در آئینہ چہ تابد
آن دم کہ غبار از رخِ آئینہ زدائیم

تو بحرِ قدم بودی و ما شبنمِ امکان
ما با تو چنانیم که گوئی همه مائیم

در عالمِ توحید نه یاریم و نه اغیار
آن لحظه که از پردهٔ هستی بدر آئیم

از شش جهتِ کون گذشت ست معینی
از جا چو بر دنیم چه گوئی که کجائیم

من بلبلِ عشقم کنون سوئے گلستان می روم
بوئ از آن گل یافتم اندر پئے آن می روم

چون آبِ جو گشتم روان پائے وسرو باغ جان
جامی بہ من دادست از آن سرمست و غلطان می روم

من عندلیب بیخودم کز عشق گل نالان شدم
نی نی کہ من آن ہدہدم سوئے سلیمان می روم

یا صفدرے ام صف شکن بیہودہ در زندان تن
افتادہ بند از پائ من اکنون بہ میدان می روم

صد بند را بگسیختم وز دشمنان بگریختم
با لشکرش آمیختم تا پیشِ سلطان می روم

در راہ دیدم دلبری عاشق کشی غارت گری
در سر کشیدہ چادری یعنی کہ پنہان می روم

گفتم کہ اندر نیم شب صبحی دمیدہ بوالعجب
گفتا کہ ہر شب بے طلب بیمار پرسان می روم

عشاق را می دہم پس جانبِ خود می کشم
گر پیشِ من نا یند ہم من پیشِ ایشان می روم

باشد ز قیدِ جسم و جان مطلق معینی بر کران
دیگر سبک بارم ازان در راہ آسان می روم

پرتوی بر می افتد از رخسارِ او بکشائی چشم
می نماید لمعۂ انوارِ او بکشائی چشم

شاید ار دیده نہ بکشائی بسوئے حور و قصور
لیکن اندر دیدنِ دیدارِ او بکشائی چشم

جان قدسی کردہ نرخِ دیدنش دلالِ عشق
گر تو جان داری درین بازارِ او بکشائی چشم

دیدہ است حسنِ موثر بی وسائط گر ندید
یاری در آئینۂ آثارِ او بکشائی چشم

ہیچ کس بے خارِ غم یک گل درین بستان ندید
گر گلت باید بہ زخمِ خارِ او بکشائی چشم

بندگان در خواب سلطان پاسبانی می کنند
در سپاسِ دیدۂ بیدارِ او بکشائی چشم

دوست را صد پردہ است و ہر یکی را دیدہ است
پس برفعِ ہر یکی ز استارِ او بکشائی چشم

آن نہ منصور ست کا نار دارا نا الحق می زند
نیست غیر حق کسی در دار را او بکشائی چشم

دیدہ بر بست ست زاہد تا بفر دا روز بار
نی کہ امروز ست روز بار را او بکشائی چشم

کار و بارِ خود معینی در سرِ کارِ تو کرد
بر امیدِ یک نظر در کارِ او بکشائی چشم

ما بہرِ وصال از دل و جان نیز گذشتیم
در وصل نخواہی تو ازان نیز گذشتیم

در بحرِ فنا غرقِ رضائے تو چنانیم
کز جوئے مرادِ دو جہان نیز گذشتیم

عمری زپئے نام و نشان تو دویدیم
ما در طلب از نام و نشان نیز گذشتیم

در پائگہِ نفسِ بہیمی چہ کند دل!
کز مرتبۂ روحِ روان نیز گذشتیم

یک جام بما داد کہ تن دل شد و دل جان
یک جام دگر داد زجان نیز گذشتیم

ناگاہ رسیدیم بہر چیز کہ جستیم!
از پائے نشستیم و ازان نیز گذشتیم

دیدیم عیان چہرۂ منصور بہ جے
کز ضابطۂ شرح و بیان نیز گذشتیم

از تفرقهٔ عاشق و معشوق رهیدیم
فی الجمله نه آئیم و زان نیز گذشتیم

در منزلِ مقصود که خلوت گہِ قدس است
از حادثهٔ کون و مکان نیز گذشتیم

از عین عیان دید معیّن حسنِ تو امروز
کز وعدهٔ فردا بجنان نیز گذشتیم

چشم غیرست درین پرده چسانش بینم
بهتر آنست که از دیدهٔ جانش بینم

او چو از دیدهٔ بے دید گیم می بیند
چارهٔ آنست که من نیز چنانش بینم

بی نشانیست نشانِ طلب اندر رہ عشق
بی نشان تا شده حاشا که نشانش بینم

رفت آن وقت که بر روی نگران می بودم
وقت آنست که بر خود نگرانش بینم

پرده گو برفگن امروز زرخ ورنه مرا
صبر آن نیست که فردا بنجابنش بینم

خواهم اول که ز سر تا بقدم جان گردم
تا چو جان در همه پیدا و نهانش بینم

حسنش از پردهٔ هستی معین می تابد
باشد این پرده بر افتد که عیانش بینم

بساطِ عشق چو پائی حدوث پی کردم
بیک قدم کہ زدم ہر دو کون طی کردم

ازین سراچۂ فانی قدم زدم بیرون
چو عزم بارگہِ کبریائی وی کردم

بسوخت از نفسم پردہای ہفت فلک
کنون کہ غسل طریقت بآب می کردم

ز دست بخت خرد آنچہ خوردہ بود دلم
بجرعۂ زمئ عشق جملہ فی کردم

دمید نائی عشقِ تو رازہا بدلم!
من از تسلیم دلی نسبتش بہ نی کردم

دمید ردح قدس در معین مسیح صفت
ببین کہ مردہ دلان را چگونہ حی کردم

چو من از ہستیٔ خود دور باشم
بخود ہم ناظر و منظور باشم

جو جام و بادہ و ساقی ہمہ ہاست
روا باشد کہ من مخمور باشم

زجامِ وحدتم یک جرعۂ بخش
کہ در دارِ فنا منصور باشم

ازان جامیکہ چون سرِ اناالحق
برآید بر زبان معذور باشم

زتابِ عکسِ خورشیدِ حقیقت
چو ذرہ مظہرِ آن نور باشم

ندارد تابِ نورش خفّاش
ہمان بہتر کہ من مستور باشم

زشہرِ عشق می آید معینے!
عجب نہ بود اگر مشہور باشم

جامِ دیدارِ خدا کرد چنان مخمورم!
کہ خمارش ننشیند بہ بہشت و حورم!

مست اگر نعرہ زند نعرہ زمی دان نہ ازو
مست حقّم نہ کم از مستِ مئے انگورم

آہِ سوزان ز دل آن دم کہ فرستم بہ فلک
گر بسوزد پر و بالِ ملکی معذورم

روز و شب با من و من در طلبش سرگردان
مشکل این ست کہ ہم واصل و ہم مہجورم

او بصد مرتبہ نزدیک ترست از رگ جان
من بصد مرحلہ افسوس کہ از وی دورم

روح قدسم بہ قیودِ بشری گشتہ اسیر
ہم چو خورشید کہ در مشت گلی مستورم

ازچہ در سایۂ تن ذرّہ صفت گم نامم
من کہ خورشیدم و در عالمِ جان مشہورم

پرده از پیش برا ندازم وگویم که کیم!
لیک ترسم که بسوزد دو جهان از نورم
مسند سلطنتم بر سرِ افلاک زدند
تا که سلطانِ ازل زد رقمِ منشورم!
موسئ دل که بطور بدنم گفت ارِنی
یعنی از جامِ بقا باده بده مخمورم
جرعهٔ داد ازان بادهٔ وحدت که مرا
نه کنون موسئ دل ماند بجانِ طورم
منکه در دیرِ فنا لاف انالحق زده‌ام
عشق در دارِ فنا داده مئ منصورم
حرفی از سطرِ تجلیش اگر بر خوانم
دانی آن لحظه که بر لوح قدم مسطورم
من چو در آئینهٔ دل نظری افگندم
گشت معلوم که هم ناظر و هم منظورم

بارِ غم گرچہ بہ مقدارِ شکیب است معین

لیک پیداست کہ تا چند بود مقدورم!

قطعہ

گہ چو احمدؐ در شبِ معراجِ وصل
از حرم تا صوبِ اقصیٰ می روم

از زمین تا سدرہ وز سدرہ بہ عرش
بر براقِ برق آسا می روم

از فلک بگذشت وز انس و ملک
از دنیٰ سوی تدلیٰ می روم

قاب و قوسین ست و او ادنیٰ حجاب
بی حجب تا حق تعالیٰ می روم

من نمی دانم درین بحرِ عمیق
شستہ ام استادہ ام یا می روم

حمدی کہ پُر گہر بود از وی دکانِ جان
شکری کہ پُر شکر بود از وی دہانِ جان

حمدی کہ جان بیان کندش از ادائے دل
شکری کہ دل ادا کندش از بیانِ جان

حمدی کہ در قلائدِ انعام در کشد
لولوز بحرِ خاطر گوہر ز کانِ جان

حمدی کہ در عزیمت گلشن سرائے قدس
بر بام عرش بر رود از نردبانِ جان

حمدی کہ چون ہما فگند سایۂ شرف
بر اوج بارگاہِ قدم ز آشیانِ جان

باد انثار بارگہِ واجب الوجود
بستایدش مگر دل من از زبانِ جان

مانند آفتاب جہان تاب روشن ست
آثارِ پادشاہی او در جہانِ جان

جان و جهانم اوست ولی چون بجویمش
اندر جهان نیابم و یابم میانِ جان
عالم نشان آدم و آدم نشانِ اوست
هم چون بدن نشانِ دل و دل نشانِ جان
تن زنده چون بجان شد و جان زنده شد بدوست
تن جانِ خود شناسد و جان نیز جانِ جان
در شوره زارِ تن بدمد صد گل مراد
چون فیضِ حق نزول کند ز آسمانِ جان
گر وصل دوست می طلبی جان بده معین
زیرا که سودِ عاشقی آمد زیانِ جان

اے ذات تو بر بساطِ کونین
سرِ دو جہان و دُرِ بحرین

چشم دو جہان بہ تست روشن
در دیدۂ جان تو قرۃ العین

آلودہ نشد بسیرِ عرفان !
دامان تو از غبارِ کونین

کی نقدِ امانتم سپردی
گر تو نشدی ضمانِ آن دین

از شینِ شفاعت تو آن رست
در روزِ قیامت از جہان شین

عقل از سفرِ براقِ عشقت
تا چند کند سوال اِمٔے این

در دائرہ معاد و مبداء
موہوم خطی فتادہ فی البین!

زآمد شدنِ دۓ تبدّلی !
آن دائرہ گشتہ قاب توسین
آن خطِ تو ہمی بر انداخت
تا عکس جدا نباشد از عین
سرّش زغبارِ غیر وارست
مانندۂ آفتاب از غین
از تابشِ بادۂ معیّت
روشن شدہ جام ثانی اثنین
از صیقل معرفت زدودہ
زآئینۂ دل کدورت رین
بی نقطۂ وحدتش معیّنے
زین دل طالبان نشد زین

گر بچشمِ عاشقان بینی جمالِ خویشتن
هم چو من آشفته گردی در خیالِ خویشتن

چون همائے عشق موران را بر در بر قصرِ قرب
من درین ایوان نمی پرّم ببالِ خویشتن

من چو مرآت دیم حسن از جمالش برده ام
جز جمالِ او نمی بینم مثالِ خویشتن

آئینہ مغرورِ حسنِ خویشتن ہرگز نشد
بلکہ می بیند جمالی در جمالِ خویشتن

ساقیا وقتست اگر جامی بہ مستان می دہی
کز خماری ماندہ ام اندر ملالِ خویشتن

بادۂ خواہم کہ بستاند مرا از من تمام!
تا چو منصور آن زمان یابم وصالِ خویشتن

قطرۂ زان بادہ کوہ طور را صد پارہ ساخت
عاشقِ مسکین کجا ماند بہ حالِ خویشتن

از برائے طوطیان باغِ قربت می برم
تنگ تنگ شکّر از شیرین مقالِ خویشتن

آن گلی کاندر سحر بشگفت در باغ دلم
بلبل طبع معین را کرده لالِ خویشتن

چو قصدِ بارگہِ کبریا کند دلِ من
فراز عرش بود کمترینہ منزلِ من

مرا بجاذبۂ عشق می کشد سوئے خود!
کسے کہ دستِ محبت نہاد در گلِ من

بہ گفتمش بتو واصل کہ می شود گفتا!
زخویش ہر کہ ببرّید گشت واصلِ من

چو ماہ بودم و بس جامۂ سیاہ شدم
چو آفتابِ رخت رفت از مقابلِ من

خسوفِ من نہ زبہر قصور خورشید است
دلی زمینِ بدن گشتہ است حائلِ من

زخرمنِ دو جہان گر نشد جوی حاصل
بہ سینہ تخمِ محبت بس ست حاصلِ من

معین زسوزِ دلم شمۂ چو بنویسد
زخامہ دود برآید ز آتشِ دلِ من

چشم دیگر با بدت تا حُسنِ او دیدن توان
گوش دیگر تا کلامِ دوست بشنیدن توان

رشتۂ جان را اگر پیوند با وصلت بود
خرقۂ تن را ز سرتا پائی بدریدن توان!

چون بگوشِ مرغِ جان آمد صدائے ارجعی
این قفس بشکستن و سوئی تو پریدن توان

گر تو خواہی تیغ راندن وقتِ بسمل در گلو
درمیان خاک و خون چون مرغ غلطیدان توان

برامید آن کہ دامانِ تو گیرد دستِ من
در لحد ریزیدن و در خاک پوشیدن توان

ہر زمان در باغ رخسارت گلی دیگر شگفت
یارب از گلزار تو ہرگز گلی چیدن توان

از غمت مسکین ہ تحیٰین ہردم بدردے مبتلاست
اے طبیب عاشقاں بیمار پرسیدن توان

عشقت دل و جانم را تا کرد جدا از من
جان و دل من دیگر نشناخت ترا از من

بر شمع جمال تو پروانه صفت گشتم
یک شعله پدید آمد بستاند مرا از من!

شب تا به سحر هستم اندر حرمت محرم
چون روز شود پوشی رخسار چرا از من

هر چند که وا گشتم او در پئے من آمد
او کرد وفا افزون چون دید جفا از من

تا از کف آن ساقی یک جام بقا خوردم
بزدود مئے وحدت زنگار فنا از من

منصور صفت گر چه زین دیر فنا رفتم
صد نور همی گیرد آن دار بقا از من

خواهی که رخش بینی در چهرهٔ من بنگر
من آئینهٔ اویم او نیست جدا از من

دل ہست اویس قرنِ اندر یمنِ قالب
بشنو ز مشامِ جان آن بوئی خدا از من
گفتا کہ چو بر گیرم برقع ز جمالِ خود
دانی کہ ز می باشد مستیٔ تو یا از من
گفتم چو معین زین می صد جام اگر باشم
دم در کشم و ناید چون کوہ صدا از من

مرا ان چون زد نوآیم توئی وسیلهٔ من
منم چو آئینه و حسنِ تو جمیلهٔ من!

دران زمان که زیاران و دوستان ببرم
تقربم بتو بهتر که با قبیلهٔ من

تو کار بنده بتدبیر خویش سازی به
که مشکلات کجا حل شود به حیلهٔ من

کجاست عشق که تا بگذراندم ز حجاب
که سدِّ راه شد این عقلِ پر عقیلهٔ من

ز قیدِ تن بچه مانم بسانِ خر بخلاب
براقِ عشق چو بربسته در طویلهٔ من

چنان مرا بنجیا لت خوش او فتادہ وصال
که حور عین نتواند شدن حلیلهٔ من

بریز روغنِ عرفان درین زجاجهٔ من
چراغ عشق برافروز از فتیلهٔ من

مبین کہ دست تہی میرود بدرگہ دوست
گمے کہ ہم سحرم او شود وسیلۂ من!

دلا بہ چشمِ حقیقت جمال دوست بہ بین
زمظہر ہمہ اشیا ظہور اوست بہ بین
دلا تو حسن خدا دیدۂ غلط نہ کنے!
کہ در جمالِ خدا جلوہ گر ہم اوست بہ بین
مراز دیدن ساقیست مستی اے ہشیار
نہ مستیم ز شراب و خم و سبوست بہ بین
بگوشِ ظاہر و باطن حدیثِ عشق شنو
بہ چشمِ صورت و معنی جمالِ دوست بہ بین
لب از حدیث فرو بند گوشِ جان بکشا
درونِ پردۂ دل این چہ گفتگوست بہ بین
مگر تو دعوئ عشقش ہمی کنے شا باش
تو فارغ از طلب وا دبہ جستجوست بہ بین
بہ مغز جان معینی نہان شدہ است کسی
چنانکہ جانِ من اندر درونِ پوست بہ بین

سوخت از بہر تو جان و جگر سوختگان
این چہ روزست کہ آمد بسر سوختگان!

سوخت سر تا قدمم جملہ درین دوزخ ہجر
بہ محمدؐ کہ رساند خبر سوختگان

دیدہ خون ریخت ز سوز و بہ جگر آب نماند
آتش افتاد درین خشک تر سوختگان

اے کہ ہر شب بدلم آتشِ دیگر زدۂ
ہم بیندیش ز آہِ سحرِ سوختگان

بر جگر داغ نہادی و دگر می ریزے
بہ شکر خندہ نمک بر جگرِ سوختگان

ہم دمم نیست بجز نالہ و آہِ سحری
ہر کہ باشد بہ گریزد ز برِ سوختگان

آتشِ عشق معینؔ شعلہ چنان زد بردل
کہ بود دوزخِ سوزان شررِ سوختگان

این درد که من دارم باکس نتوان گفتن
سوزِ دلِ عاشق را باخس نتوان گفتن

پیشِ دلِ خود گه گه دردی تو همی گفتم
دل نیز رمید از من زین پس نتوان گفتن

هر چند بتن زین درد واپس ترم از هر کس
چون پیش تو جان بازم واپس نتوان گفتن

بردار دلم از تن تا صید کنم جان را
شهباز همایون را کرگس نتوان گفتن

بیمار لب لعلت بر بسترِ خون خسپد
بالینِ غریبان را اطلس نتوان گفتن

تقصیر بسی دارم پیش تو ولی عیبم
در ردیم اگر گوئی در پس نتوان گفتن

سترِ غمِ عشقش را با خلق معین کم گوی
احوال سلاطین را باکس نتوان گفتن!

از پس پرده جمالی می نماید کیست آن !
آن که یک یک پرده از رخ می کشاید کیست آن

تا کجی چون احولان بینی لباس مختلف
آن که هر دم در لباسی می نماید کیست آن

جام می برکف نهاده عکس خود دیده دران
هر زمان در بادۂ مستی می فزاید کیست آن

من یقین دانم که بیرونست او از شش جهت
آن که هر دم از رہ دیگر در آید کیست آن

در مقابر خانۂ عشق از متاعی هر دو کون
هر چه دید اندر کف دل می رباید کیست آن

گر ندارم هیچ اما عاشق آن دلبرم
کو دهد مر عاشقان را هر چه باید کیست آن

چون نگیرد ظلمت غم ساحت دل شام هجر
آن مهی کز برج جان ناگه بر آید کیست آن

گل به تخت ناز و حشمت خورده گیری می کند
بلبلی کاین جا زبان درهم نخاید کیست آن
گر به صورت هم چو بلبل محوِ گل گشته معین
آن که در گلزار معنی می سراید کیست آن

می دمد بوئے ندانم تا کجا این بوست این
بوئے عشق ست این که می آید ز سوئ دوست این

جان چو بویش بشنود بر خود بدرد پیرهن
روحِ پاک ست این نمی گنجد درونِ پوستین

این چه نورست این که جان چون ذره سرگردان اوست
آفتاب این نور کی دارد جمالِ دوست این

این همان جانست کورا هر طرف می جست دل!
کین زبان لب بر لبم بنهادهٔ در روست این

بر دل عاشق زند هر لحظه عشقش نشتری!
زخم آن نشتر مبین بنگر چه خوش داروست این

دل که بر خوانِ وصالِ دوست بنشیند گراست
خام شوری دارم اما زان سگانِ کوست این

بادهٔ هو چون هیا هو ریخت بر جان معین
از دلش تا عرش صد جا نعرهٔ یا هوست این

تن میان خلق و جان نزد خداوند جهان
تن گرفتار زمین و روح در هفت آسمان

تن نشانهٔ گشت تیرِ حادثات دهر را
روح اندر خلوت خاص از دو عالم بی‌نشان

گوهری در خاتمی می‌بود یک قرنی قرین
شد جدا از خاتم و آمیخت هم باصل دکان

قطرهٔ برداشت ابر قدرت از دریای جود
باز آن قطره بدریا رفت و شد هم‌رنگِ آن

قطره را گر ابر از دریا نبردی در هوا!
دُرِّ شهوار از کجا بودی بگوش مهوشان

گوهری آورد در بازار عالم در فروخت
هم بخود دلال گشت و خود خریدار خود نهان

از پسِ پرده معین بنگر که از سلطانِ غیب
عشق خود با خود همی نازد بنامِ عاشقان!

آتشِ عشقِ تو در جانِ من افتاد کنون
رفت آرام و قرارِ همہ برباد کنون

آن کہ بر ہر رگِ جان زخمِ تو خوردم چون چنگ
چہ عجب گر کنم از دستِ تو فریاد کنون

گرچہ دل در خمِ چوگانِ بلا افتادست
جز تحمل چہ توان کرد چو افتاد کنون

شاہِ عشق آمد و شہرِ دلِ من ویران کرد
لیک صد گنج بہ ہر زاویہ بنہاد کنون

خلق گوید کہ این شہر چرا ویران شد
وہ کہ ویران نشد این بلکہ شد آباد کنون

مدتی بستۂ زندانِ طبیعت بودم
دستِ غیب آمد و بندم ہمہ بکشاد کنون

ساقیٔ بزمِ خدائی درِ مے خانہ کشاد
صد ہزاران خُمِ خمخانہ بہ من داد کنون

تاریخِ ساقیِ ما پردۂ عزت برداشت
طورِ ہستی مرا کند زبنیاد کنون
آن ہمہ بادہ کہ از جام صفا خوردہ معین
ہم چنان از طلبِ خویش نہ استاد کنون

من نہ آن رندم کہ از می سرگران خواہم شدن
گر نہی لب بر لبم مست آن زمان خواہم شدن

حالیا باری چو نی دم در کشیدم در فراق
چون لبت بوسم من آن دم در فغان خواہم شدن

این زمان مستم ز من از غمزۂ ساقی مپرس
چون شوم ہشیار در شرح و بیان خواہم شدن

من ہمی گفتم چو بینم گویمش احوالِ خویش
من چہ دانستم کہ آن گہ بے زبان خواہم شدن

زورقم شد غرق دریا بحرِ آشنائی مشکل ست
یارب از گرداب حیرت بر کران خواہم شدن

بے نشان گشتم من اندر جستنِ آن بے نشان
عاقبت در بی نشانی بے نشان خواہم شدن

گفتمش بہرِ تو تا کی در جہان خواہم دوید
در طلب تا چند نزدِ این و آن خواہم شدن

گفت زین وآن چه جوئی جز خود از آن کہ من
در تنت چون جان ز پیدائے نہان خواہم شدن

آئینہ ہستیٔ خود را صیقلے میزن کہ من
گرچہ پنہانم ولی آخر عیان خواہم شدن

ای ہدا از من صلاح و عافیت دیگر مجوی
زانکہ من در عشق رسوائے جہان خواہم شدن

گر امید دید نتش نبود من از کنجِ جحیم
واللہ از ہر سوی خلد جنان خواہم شدن

از مضیقِ کن فکانم کی بود دانی عبور
آن زمان کاندر فضائے لامکان خواہم شدن

نقدِ کونینم بکف گرد لیست بر دامان جان
آستین افشان بردن زین خاکدان خواہم شدن

ذرۂ خاکم ولی با مہر دارم دوستی!
پائے کوبان تا فراز آسمان خواہم شدن

از نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي دمیدے دمعین
لاجرم چون روح قدسی جمله جان خواہم شدن !

رسید یک نظر از شاہِ دل نواز بمن
فتادہ سایۂ آن سروِ سرفراز بمن

ہمائی قدس کہ بودیم سایہ پرورِ او
ہزار شکر کہ افگند سایہ باز بمن

دلم چو فائزِ آسیب روزگار شود !
رسد ز فیضِ تو صد گونہ اہتزاز بمن

مرا کہ پایۂ جاہست فوقِ نہ طارم
ز خدمتِ تو رسیدست اعتزاز بمن

زمینِ دولتِ سلطانِ عاقبت محمود
اگر رسد چہ عجب منصبِ ایاز بمن

چو رد بہ عالمِ غیب آورم باستقبال
عرائسِ فلک آیند پیش باز بمن

بگوئمیت کہ بوقتِ ظہورِ سرِّ وجود
رموزِ عشق چہ گفتند اہلِ راز بمن

کہ تا مقیدِ قیدِ وجوب و امکانے
نیاز روئے تو دارد چنان کہ ناز بمن

چگونہ سود توان برد از دکان کہ درو
قناعت ست بمثقالِ حرص و آز بمن

نشستہ منتظرم تا کہ پردہ دارِ جلال
بدستِ غیب کشاید درِ فراز بمن

زدودہ زنگ تن از جانِ جان کند جلوہ
حقیقت تو در آئینۂ مجاز بمن

وفا ز عمر چہ جویم کہ ہر نفس کہ زدم
چنان برفت کہ دیگر نگشت باز بمن

بہر دمی قدمی میرسم ولی چہ کنم!
کہ عمر کوتہ درہ می شود دراز بمن

متاعِ جان و جہان می برد بشمشیرِ غم
دگر غنیمت بیاید بترک و تاز بمن

ہر انچہ سوخت بسازد چنین شنید ستم
ایا سپہر کہ میسوزیم بسازہ بمن
بود کہ ختم سعادت کند بخود واجب
چنان کہ فاتحہ در فتح ہر نماز بمن
سپہر با تو نسازد معین تو سوئے حق
نگر کند نظر لطف کار سازہ بمن

من شراب عشق را پیمانه ام ای عاشقان
آن پری را دیدم و دیوانه ام ای عاشقان

زان فسون کان لب بگوشم خواند در روزِ ازل
در زبانها تا ابد افسانه ام اے عاشقان

گفتمش بنمائے رخ گفتا که دیدارِ مرا
دیده باید ورنه من پنهان نه ام ای عاشقان

من چو حُسنِ بتگر اندر چهرهٔ بت دیده ام
بعد ازین سر بر درِ بت خانه ام ای عاشقان

جذبهٔ نورِ جمالش می کشد سوئے خودم
گوئیا او شمع و من پروانه ام ای عاشقان

اندرین کاشانهٔ ویرانه کی منزل کنم
من که بادشاه جهان هم خانه ام ای عاشقان

با دلِ اشکسته گفتم تو کجا و آدکجا!
گفت او گنج ست و من ویرانه ام ای عاشقان

تن چو بحر و دل صدف دلبر چو دُر پنداشتم
نی که او بحر ست و من دُر دانه ام ای عاشقان

تا تنم دل گشت و دل جان گشت و جان جانانه شد
نی تنم نی دل نه جان جانانه ام ای عاشقان

گر میانِ ما و ساقی صد ہزاران پرده است
میدراند نعرهٔ مستانه ام ای عاشقان!

تا معین گشت آشنا با یارِ خود اے دوستان
من دگر اندر میان بیگانه ام ای عاشقان

تن چو از خاکست او را خاک می باید شدن
جان ز افلاکست بر افلاک می باید شدن
گر نخواہی ورنہ در آتش .باید سوختن !
چون زرِ مغشوش کو را پاک می باید شدن
در طریقِ عشق وادیہاست کاندر قطع آن
کاہلی کے می توان چالاک می باید شدن
اے دل از تیرِ قضا تا کے توان کردن حذر
ہم چو صیدت بستۂ فتراک می باید شدن
گر عروج جان معینی بایدت بر نہ فلک
در رکابِ خواجہ لولاک می باید شدن

چشمهٔ سارِ دل که شد محجوب خرسنگِ بدن
تیشهٔ بردار و این خرسنگ را در هم شکن
آبِ حیوان ست اندر ظلمتِ هستیٔ تو
ماهیٔ شو خویش را در آبِ حیوانی فگن

وه چه سوزست این که ماهی می طپد از بهرِ آب
با وجود آن که دارد در دلِ دریا شکن
گرچه ماهی بر سرِ تابه بسوزم جای آن ست
زین همه آتش که افتادست اندر جانِ من

دل مرا در سینه می سوزد همه شب تا بروز
ز آتشِ هجرانش چون شمعی که سوزد در لگن
لیک چون شمعی که بر بالینِ بیماران بود
نی چو آن شمعی فروزان درمیانِ انجمن

بلبلِ جانم که می نالد بدامِ آب و گل
نوحهٔ غم می سراید بهرِ مرغانِ چمن

چون ز باغِ وصل آمد سوئے زندانِ فراق
جائے آن دارد کہ نالد از پئے حبِ وطن

بلبلا تا چند می نالی درین مجلس سرائے
قوت از بازوئے حق جو دین قفس درہم شکن

محنت ہجران بہ یعقوبؑ از کہ پیراہن رسید
عاقبت ہم مژدۂ وصلت رسید از پیرہن

چون تو مرآتِ خدائی ہرچہ ہست از خیر و شر
اندرین آئینہ می بین و بر دیش دم مزن

چون دلِ مسکین معین آئینۂ تست اے کریم
آئینۂ خود را صفائی دہ ز نورِ خویشتن

اے صدائے بلبلان در صحنِ بستان حمد تو
دی نوائے مرغِ جان در باغِ ایمان حمد تو
تاب خورشیدِ شہود افتاد در قصرِ وجود
گفت ذرّاتِ جہان پیدا و پنہان حمد تو

قرعۂ قسمت دران روزیکہ می انداختند
نعمت آمد قسمِ جسم قسمتِ جان حمد تو
مشکل از شکرش ہمیں نعمت بردن آیم کہ چون
بر زبانِ قاصرِ من گشتہ آسان حمد تو

گر نبودی حمد معراجی ز قصرِ قربت
کی شدی سر دفترِ الفاظِ قرآن حمد تو
حامدان گر عرش را در مدح فرش رہ کنند
زاوجِ عزت پایۂ ناید بپایان حمد تو

گنگ شد مسکین معین ہم خود ثنائی خود مگو
بہتر آن باشد کہ من گویم بد مستان حمد تو

من نمی گویم اَنَاالحق یار می گوید بگو
چون نگویم چون مرا دلدار می گوید بگو

هرچه می گفتی بمن هربار می گفتی مگو
من نمی دانم چرا این بار می گوید بگو

آنچه نتوان گفتن اندر صومعه با زاهدان
بی تحاشی بر سر بازار می گوید بگو

سر منصوری نهان کردن نه حد چون منست
چون کنم هم ریسمان هم دار میگوید بگو

گفتمش رازیکه دارم با که گویم در جهان
نیست محرم با در و دیوار می گوید بگو

آتش عشق از درخت جان من برزد علم
هرچه با موسیٰ بگفت آن یار می گوید بگو

گفتمش من چون نیم در من مدرم می دری
من نخواهم گفتن این اسرار می گوید بگو

اے صبا گر پرسدت کز ما چہ می گوید معین

این دوئی را از میان بردار می گوید بگو

نورِ تجلّی میرسد ای طورِ دل صد پاره شو!
ای مرغِ جان بشکن قفس زین خاکدان آواره شو

بهٔ نهادا ستادِ ازل بنیادِ این قصر ترا
بگذر ز نقشِ آب و گل حیران آن گل کاره شو

این هفت کوکب از فلک بر آب و گل تابد ولے
تو نورِ جان و دل طلب بالائے هفت استاره شو

خواهی خمارت کم شود ساقی طلب نه جام مے
در هم شکن خم و سبو اندر پی خماره شو

در کوئے بدنامی مرا پیوند شد با دلبری!
این خرقهٔ ناموس من گو صد هزاران پاره شو

گفتی چو بے چاره شوی آنگه ترا چاره کنم
واللّٰه که بے چاره شدم بیچارگان را چاره شو

تا چند در مهد زمین چون کودکان باشے معین
برچین بساطِ مادِ طین وارسته از گهواره شو

آئینۂ وجودم چون گشت مظہرِ تو
گرچہ نبود قابل شد خوب درخورِ تو

خورشید بودی ومن آئینۂ ز آہن
گشتم چو ماہ روشن اندر برابرِ تو

ہر جا کہ رخ کشودم حسنِ تو می نمودم
ہر ذرّہ از وجودم چون گشت مظہرِ تو

گفتم ز خود خبر کن گفتا ز خود گذر کن
وانگہ بخود نظر کن تا کیست در برِ تو

بگذر معین ز کثرت اندر مقام وحدت
آن شاہ تاجِ عزت بنہاد بر سرِ تو

بیا در بزمِ اَوْ اَدْنیٰ یکی حرفی ز من بشنو
وزان اسرارِ ما اَوْحیٰ یکی طرزِ سخن بشنو

اگر اسرارِ وحدت رازِ من باور نمی داری!
تو گوشِ ہوش خود بکشائی و بے کام و دہن بشنو

برافگن نور ظلمت را ز رہ بردار کثرت را
پس آنگہ سترِ وحدت را تو ہم از خویشتن بشنو

نیازِ عاشقان و نازِ معشوقان چہ می پرسی
زبان چون سوسنے گنگ ست از مرغِ چمن بشنو

گہی کز شوق می نالم خبر کے دارم از عالم
رخی بہ خاک می مالم کہ اے جان دردِ تن بشنو

جوابی می رسد ہر دم بگوشِ من ازان عالم
کہ من رازِ تو بشنیدم تو اکنون رازِ من بشنو

معین درکش می باقی بنہ لب بر لبِ ساقی
پس آن گہ دردِ مشتاقی ازان خوبِ ختن بشنو

نعلین ز پا بفگن در عرشِ معلّا رو
آن جائے کہ جان نبود بے جا شو و آن جا رو

اے قطرہ تو از بحری ہر چند جدا افتے
گر سر بہ فلک سائی ہم جانبِ دریا رو

مرغِ دلِ ہر زاہد تا باغِ جنان پرّد
اے دل تو از آن بگذر بر قبۂ اعلا رو

مانند چغد تا کے بر ہر حدقی پرّی
چون بال د پری داری بر پرسۂ بالا رو

ای بی ادبِ مسکین ز افعال چہ می جوئی
تعلیم خدا خواہی در مکتبِ اسما رو

گفتی کہ بر د از من پنہان ست نمی یابم
زان راہ کہ می دانی اندر دلِ شبہا رو

چون جانبِ ما آئی ہم راہبرت مائیم
ہمراہ مجو جز ما چون می روی با ما رو

این قید حدوث از پا بردار متعین یک یک

زان ره که رسیدستی هم در پی خود وا رو

در آئینۂ جانم بہ نمود خیالِ تو
بگیخت دل از عالم از شوقِ جمالِ تو

من محنتِ ہجران را امروز خرید ارم
سرمایۂ سودِ من سودائے وصالِ تو

ایوانِ مرادِ ما از عرش فزون باشد
زان مو صفت خود را بستیم ببالِ تو

از خونِ دلِ عاشق می نوش بجائے می
در مذہبِ عشق آمد این بادہ حلالِ تو

ناقص نشود کامل ہرگز بہ کمالِ خود
بگذر ز کمالِ خود این ست کمالِ تو

در صدرِ وصال آرند عشاق معینی را
رہ نیست روا باشد در صف نعالِ تو

از مطلعِ دل زد علم یک لمعۂ از رخسار او
شد ذرّه ذرّه مستنیم در پردۂ انوار او

یا آن که ذرات تنم هر یک هزاران دیده شد
یک ذرّه هم دیده نشد از پرتوِ رخسار او

حسنش چو آید جلوه گر طاقت نیارد چشم سر
از دیدۂ دل کن نظر تا بنگری دیدار او

عشقش نهال باغ جان میوه وصال جاودان
تو بر نخواهی خوردزان هم دست برخوردار او

بگذر ز کوئے آب و گل در رو بقصرِ جان و دل
یا سرِ خود بین منفصل سرّے هم از اسرار او

عاشق ز راهِ معرفت بگذشته از فعل و صفت
وین عاقل و غافل صفت سرگشته در آثار او

اظهارِ حسنِ دلبری می بین ز هر مه پیکری
پیداست در هر مظهری آن حسن و آن اظهار او

منصور کی بود آن زمان کاورد انا الحق بر زبان
زنہار غیرِ حق مدان دیّار اندر دار او !

گویند یارِ یار شو تا چند باشی یار خود
نی نی کہ یار خویش شو تا چند باشی یار او

پر شد جہان یکسر از و شد نیک و بد منظر از و
مومن از و کافر از و در قیدِ نور و نار او

خواہد کند در خود نظر آئینہ سازد از بشر
بازش کند زیر و زبر جبرانم اندر کار او

در ظلمت آباد عدم یک شعلہ ز انوار قدم
در ہر دلی کوزد علم از جان نمود اقرار او

در پردۂ آتش مگر حسنِ تو آمد جلوہ گر
پیرِ مغان کرد آن نظر کس چون کند انکار او

ترسا سویت بشتافتہ بوی از چلیپا یافتہ
زلفِ تو برہم تافتہ آن حلقۂ زنارِ او

مسکین معین در یک غزل بنمود اسرار ازل
بشنو کلام لم یزل در سوت گفتار او

ہستی طلیعہ ایست ز نورِ وجودِ او
کونین شبنمے ست ز دریائی جودِ او

در جنبِ آفتاب کجا ذرہ را بقاست
اندر جوار سایہ نماید وجودِ او

ناورد چون صدف گہر وصل او بکف
تا دل نگشت غرقۂ بحرِ شہودِ او

زآئینہ دلست نمودارِ حسنِ دوست
زنگِ وجودِ تست حجاب نمودِ او

گہ شعلۂ ز عشق کہ در جان خود زنم
تا ارہم ز ظلمتِ ہستی و دودِ او

عاقل چہ پی برد کہ فنا مایۂ بقاست
واندر زبان عقل نہ ماند سودِ او

از تار عنکبوت چہ پروا ہمائی را
دامیست بہر صیدِ مگس تار و پودِ او

بینی چو جان ز قید حوادث بدر پرد
بر ذرهٔ و نیافتد آلی صعود او

از روح خاص خویش دمیدی در آدمی
ورنه کجا ملائکه کردے سجود او

از گنج عشق برده جهان مایه دین عجب
کاندر دو کون یافت نه هیچ از نقود او

باشد جهان و مانه غم خویش خور معین
تا چند غم خوریم ز بود و نبود او

پیش ازان کاستاد فطرت فرش وایوان ساختہ
پایۂ قدرت فرازِ کون وامکان ساختہ

قالبِ آدم چو از خوابِ عدم برداشت سر
خاکِ پایت طوطیائی دیدۂ جان ساختہ

ہم چو بسم اللہ برمنشورِ قرآنت خدائے
تا قیامت ہم عنان مانندِ عنوان ساختہ

اندران عنوان دو رحمت کردہ ظاہر اندرین
جسم وجانت رحمتے برانس و برجان ساختہ

دشمنان از کینِ تو برنارِ حرمان سوختہ
دوستان از مہرِ تو با نورِ ایمان ساختہ

شہسوارِ دلدلِ شوقیکہ در میدانِ چرخ
عشق از بدر و ہلالت گوی و چوگان ساختہ

خواجۂ عالم تو بودی لاجرم بنّاے صنع!
از برایت چتر و طاقِ ہفت ایوان ساختہ

دُرِّ وحدت را کہ می جویند در بحرِ قدم
حق درونِ حقۂ جسمِ تو پنہان ساختہ

از برائے ما حضر پیش گدایانت خدائے
ہشت جنت با ہزاران حور و غلمان ساختہ

راہ جنت گرچہ دشوارست پیش دیگران
بر طلب گارانِ این امت چہ آسان ساختہ

نارِ نمرودی برا براہیمؑ گر شد گلستان!
آتشِ دوزخ بر این امت گلستان ساختہ

بہر فرزند خلیل ار گوسفند آمد فدا
بہر این امت فدا از نوع انسان ساختہ

گوہر وصلش بنقدِ ہر دو عالم می خرند
لیکن از بہر گدایانِ تو ارزان ساختہ

یا رسُولَ اللہ بحال عاصیان کن یک نظر
تا شود زان یک نظر کارِ فقیران ساختہ

رحمة للعالمینی بر مسکینی رحم کن !
کز جهالت خویش را محکوم شیطان ساخته

ای کوسِ دولتِ تو ملک برفلک زده
عشقت علم بہ سینۂ ہر یک بیک زده

آئینہ دارِ طلعت تو بوده آفتاب
خرگاه زر طناب ازان برفلک زده

مہ لاف حسن زد بہ فلک لاجرم شکاف
از پنجۂ سیاست تو آن فلک زده

از صفحۂ سپہر نشد حل مشکلت !
زان نسرِ واقعش سہ نقط ہرِ شک زده

دیوے کہ کرده خدمتِ دولت سرائے تو
دراوجِ کبریائے تو پر بر ملک زده

دانستہ نقدِ بغیش صاحب عیار چیست
صراف عقل نقدِ تو چون بر محک زده

در بزمِ خاصِ محرم الا اللہ آمده
چون تیغ لا نبارک ہر مشترک زده

در نعت خواجۂ دوسرا روز و شب معین

کوس محبتش ز سما تا سمک زده

یک قطرہ بحرِ قدرتش بر ہر دو عالم ریختہ
وان قطرہ صد دریا شدہ در کامِ جانم ریختہ

نورِ تجلّی زد علم ہر صبح از برجِ قدم!
کوہ وجودم لاجرم چون طور راز ہم ریختہ

از جملہ ذرّاتِ جہان نورِ تجلّی بین عیان
زیرا کہ بحرِ بیکران در طرفِ عالم ریختہ

چون برزند خورشید سر حقا کہ نگذارد اثر
موجِ ہوا شب تا سحر چندان کہ شبنم ریختہ

شہ چون خود جامِ صفا بر خاک ریزد جرعہا
زان حق شرابِ عشق را بر خاک آدم ریختہ

من عاشقِ دیوانۂ در می کشم خمخانۂ!
زان می کہ یک پیمانۂ بر عرشِ اعظم ریختہ

نارِ محبت از ازل می سوخت تا روزِ اجل
دل را کہ عشقِ لم یزل در بوتۂ غم ریختہ

چشمے کہ از انوارِ او می بود برخوردار او
از حسرت دیدار او اشک دمادم ریختہ
عشق از ورائی نہ فلک آتش زد اندر یک بیک
وانگہ بداغ مانمک بر جائے مرہم ریختہ
خوش می دمی در دل ازان می ریزد اسرارِ زمان
چون خردۂ آہنگران کز ضربتِ دم ریختہ
درتافت خورشید یقین از مطلع جان معین
واللہ کہ فیضی این چنین بر ہر دلی کم ریختہ

جانے کہ مذاقش مزۂ عشق مزیدہ
از لطف گریزان شدہ در قہر خریدہ
در قیدِ تعلق نتوان داشت بصد بند
مرغے کہ ز دامِ سر زلف تو پریدہ

سالک کہ در اول قدم این رہ نشدش طے
رہ رفتہ بسی لیک بجائے نرسیدہ
از گلبن غم خارِ ستم خوردہ ننالید
آن دیدہ کہ در گلشنِ جان روئے تو دیدہ

جانم چو گل از غنچہ برون آید از آن باد
گو وقت سحر پردہ ز روئے تو کشیدہ
کو محرم جان تا ز دل آرم بہ زبانش
آن نکتہ کہ گوشم ز لبِ عشق شنیدہ

دریائے کرم موجِ محبت زدہ صد بار
در ہا ہمہ در رشتۂ جانِ تو کشیدہ

دانی کہ بہ جنت چہ بود لولوئ منثور
آن دانۂ اشکے کہ ز چشم تو چکیدہ

از بزمِ الست آمدہ سرمست مجیبیؔ
زان جرعہ کہ جانش ز مئ عشق چشیدہ

اگر بہ چشمِ حقیقت وجودِ خود بینے
قیامِ جملۂ اشیا بہ بودِ خود بینے

وجود ہیزمیت نارِ موسوی گردد
اگر برون کنی از سرِ تو دودِ خود بینے

ز قعرِ لجۂ توحید دُرِّ عشق بر آرا
کہ گنجِ مخفیِ حق را نقود خود بینے

بہ قصرِ عشق ترا پایہ از سرِ جہد است
کہ تختِ ہر دو جہان را فرودِ خود بینے

تو چون فرشتہ نظر بر جمالِ دوست نگار
نہ چون لعین کہ ہمیں در سجودِ خود بینے

ازین حضیضِ دناءت چو بگذری شاید
کہ تادنیٰ فتدلّیٰ صعودِ خود بینے

بیاز خانہ برون آ و نورِ دوست نگر
تو چند شیشۂ سرخ و کبودِ خود بینے

اگر ز آئینۂ زنگِ حدوث بزدائی
جمالِ شاہدِ حق در شہود خود بینے

بہ بند دیدہ ز اعیان کہ تا ز عینِ عیان
وجود دوست چو جانِ وجودِ خود بینے

بیا بہ بزم گدایانِ شہ نشان خودیست
کہ تا نتیجۂ احسان وجودِ خود بینے

در آ بہ مجلسِ مسکین معین شوریدہ
کہ نقل و بادہ ز گفت و شنودِ خود بینے

گوہرِ عشق چو در چشمۂ تن می طلبی
دل چو دریا کن اگر دُرِّ عدن می طلبی!

چہ روے دشت و بیابان سوئے آہوی تتار
زلف او بوئی اگر مشکِ ختن می طلبی

یارِ عشقی تو درین دام گہ آرام مجوی
سوئ او باز پر از زان کہ وطن می طلبی

نکتۂ جستم ازان منطقِ شیرین بہ سوال
گفت بنگر کہ کلامم بچہ فن می طلبی

من نہ جانم نہ دلم نی بدنم چیند مرا
گہ ز جان گاہ ز دل گہ ز بدن می طلبی

بر سرِ عرش دویدم کہ بگو یار کجاست
گفت بانست شب و روز زمن می طلبی

عاقبت پردہ برافگند کہ ہان بیشتر آہی
جام می گیر اگر شرم شکن می طلبی

گیر در دارِ بقا جبل انا الحق در دست
چند در دیرِ فنا دار و رسن می طلبی

عندلیبِ چمنِ عشق شوے طائر قدس
گر تماشای گل و صحن چمن می طلبی

خانہ خالی کن از اغیار و بجو یار معین
کین محالست کہ ضدین معاً می طلبی

چو از جمال نقابِ بطون بر اندازی
دران ظهور وجودِ مرا عدم سازی

ز نورِ حسن چو رخسارِ شمع آرائی
مکن ملامتِ پروانۂ به جان بازی

نقوش مهرِ تو از هر دل نخواهد رفت
اگر در آتشِ عشقم چو موم بگذاری

چو چنگ می کشم این گوشمالِ زخم فراق
مرادم آن که به بزم وصال به نوازی

سپاه درد و بلا صف کشد از چپ و راست
به قلب ما علم عشق چون برافرازی

همین دلست که آئینہ است در دستش
گہی چو گوئی بہر جانبی که می تازی

دلی مظاهر داعیان چو رخت بربستند
تو خواه آئینہ سازی و خواه گو بازی

هر آئینه که تو عکس جمال خود بینی!
اگر در آئینۂ دل تجلّی اندازی

رموز عشق دلم از تو با تو می گوید!
چرا که هم چو نیش همدم و هم آوازی

بغیر راز دلِ خود نمی توانم گفت!
تو راز من شنوی به که محرم رازی

معین به یک نظر از خاک برگرفتۂ تست
بدان امید که باز از نظر نیندازی

اے کہ اندر عین پیدائی نہانی کیستی
ہر چہ در فہم و گمان آید نہ آنی کیستی

جملۂ اشیا ز حدِ وصف شد معلوم خلق
اے کہ بیرون از حد وصفِ بیانی کیستی

اے کہ در ہر مظہری نوعی ظہوری کردۂ
در لباسِ جملۂ اعیان عیانی کیستی

نی بدن از تو خبر دارد نہ جان از تو اثر
تو چو جان از بسکہ پیدائی نہانی کیستی

اے کہ ہم چو شہد و شیر اندر رگ جانی روان
جانِ شیرینِ منی یا جانِ جانی کیستی

منزل یَسْمَعُ دَبِی یَنْطِقُ بہ عالم در زدی
اے کہ سمع و نطقِ ہر گوش و زبانی کیستی

جملہ ذراتِ جہان ہر یک نشان ذاتِ تست
با وجود این نشانہا بے نشانی کیستی

در فراق آزار ریش درد مندانی ولیک
در وصال آرام جان عاشقانی کیستی

جام شش روی جهان از عکس رویت روشن است
تو برون از شش سوی کون و مکانی کیستی

من بجست و جوی تو هر دم روم دیوانه وار
وی عجب هر سو روم با من روانی کیستی

با معینی گفت هر سو تا بکی خواهی دوید
هم ز خود جو هر چه خواهی تا بدانی کیستی

تو مظهر لمعات جمال معبودی!
ولی دریغ کز آئینه رنگ نزدودی

درخت هستیت از نار عشق پاک بسوز
که تا تمام نسوزی مقیدِ دودی

چو مفردان مجرد ز پردها بدر آئی
چو بیوگان چه گرفتارِ تاری و پودی

زیان و سود چو در دست اختیارِ تو نیست
زیانِ تو هم ازان شد که طالبِ سودی

عدم وجود نگردد که در حقیقتِ حال
مجاز بر تو نهادند نام موجودی!

سحر ببامِ فلک طبلِ عشق می کوبند
چه شد که یک سحر آوازِ طبل نشنودی

درآ به عرصهٔ میدان که در بدایتِ حال
زجمله منتهیان گوی عشق بربودی

تو قدر خود بہ ازین دان کہ در بود ائد فضل
ہمہ طفیل تو اند و توئی کہ مقصودی

ہنوز آدم و عالم نبود نام و نشان
کہ در سراچۂ وحدت جلیس حق بودی

ملک بہ سجدۂ آدم قیام نہ نمودی
اگر عیان نہ بدیدی جمال معبودی

شہید عشق شوے دل کہ نزد اہل شہود
یکی ست مرتبۂ شاہدی و مشہودی!

اگر بکوہ رسد قطرۂ رود از جائے
زبادۂ کہ بما بے دریغ پیمودی!

کدام بادہ قوی تر ازین تواند بود
کہ حسن خویش بما بے حجاب بنمودی

ز ذرہ ذرہ شنو نعرہ ہائے منصورے
کنون کہ از رخ تابان نقاب بکشودی

هلاکِ من ز تو و اجتناب از تو محال
مریضِ عشق ندارد امید بهبودی!

هزار بار کشیدم هزار بارِ غمت!
تو بارِ دیگر و بارِ دگر بیفزودی

ز بارِ عشق ننالد معین دلی خودگوی
که پشه چند کشد بارِ پیل محمودی

بخدا غیرِ خدا در دو جهان نیست کسی
صد دلیل ست ولی واقف ازان نیست کسی

نکتهٔ سرِّ محبت چو نهان از من و تست
لاجرم در صددِ شرح و بیان نیست کسی

مسندِ عزت و خلوت گہِ وحدت خالی ست
از ازل تا بہ ابد درخورِ آن نیست کسی

لاجرم عاشق و معشوق ز خود ساخت پدید
تا کہ بر دی بجز از وی نگران نیست کسی

این همه زمزمہ کز سینهٔ خود می شنوی
تو چه گوئی کہ درین خانہ نهان نیست کسی

زنده دل را چه غم از رفتنِ جان روز ازل
زان کہ دل زنده باین روحِ روان نیست کسی

دل و جان عارتیم گر برود عمرِ تو باد
اے حیاتِ دلِ من غیرِ تو جان نیست کسی

دعوی عشق درین معرکہ ہرگز نکند
اگر از جان و دل خویش بہ جان نیست کسی
بارِ عشق تو معینی بدل و جان بکشد
کہ ہوا دارِ تو تنہا بہ زبان نیست کسی

اگر ز مستیٔ خود چشم دل فراز کنی!
نخست دیده بدیدارِ دوست باز کنی

دمی ز هستیٔ خود بگذری به از صد سال
که روز روزه بداری و شب نماز کنی

چو سرِ دوست طمع گر کنی ز خود کوتاه!
سزد که پائی درین انجمن دراز کنی

بلندیت به تواضع نهاده اند بکبر
تو خویش را نتوانی که سرفراز کنی

ز کعبتینِ فلک نقدِ جان نه خواهی برد
چو عرضِ شعبده با چرخِ حقه باز کنی

به نازکی به بری پی بمنزل مقصود
مگر سلوک رهش از سرِ نیاز کنی

گرت به ناز براند مرد که آخرِ کار
بصد نیاز به خواند ترا و ناز کنی

ز بندگی بہ نشینی بہ تخت سلطانی
اگر تو خدمتِ محمود چون ایاز کنی!

مرا اے ساقی وحدت بدادی جرعہا زان مے
کہ ہر دم از ہیاہو یش برآید از دلم ہی ہے
بگرا ے خم چہ می جوشی چو می دردی تو می ریزی
بگو ای نی چہ می نالی چو ہم خود میدمے دردے
چہ بادست این نمی دانم کہ جام دل بہ یک جرعہ
چنان از رنگ صافی شد کہ دیدم یار را ددے
بدیدم دلبری چون مہ شد از حسنِ ادو الہ !
مرا در برکشید آن گہ کہ از من می جہی تا کے
مقاماتی بدیدم من حکایاتی شنیدم من !
بحالاتی رسیدم من کہ کس آن جا نبردہ پے
زعقل خود برون رفتم بہ بازار جنون رفتم
بہ مے خانہ درون رفتم بدیدم خمہا پر مے
روان یک جرعہ پر کردم بہ یاد لعل او خوردم
فنا از خویش بستردم بقائی یافتم زان مے

نہ عصیان ماند نی طاعت شدم محو اندران ساعت
چنان گشتم در آن حالت کہ وی من گشت من ہم وے
معینی بس کن این دعوی کہ در دیوان آن مولیٰ
ہنوز از دفتر معنی نہ کردی یک ورق راطے

گہی کہ از رخِ تابان نقابِ زلف کشائی
زعاشقان بنگاہی ہزار دل بربائی!

بیا ز پردہ برون ورنہ جملہ پردہ فگن
کہ نیست سوختگان را دگر شکیبِ جدائی

چگونہ صبر توان کرد در فراق جمالت
کہ ہر زمان بدلم صد ہزار بار در آئی

بہ یک حجاب کہ برداشتی دلم بربودی
جہان نماند و جان ہم اگر جمال نمائی

دلا بہ مجلس مستان در آ و خاک شو آن جا
کہ جرعہ بتو ریزند از شرابِ خدائی

چو جرعہ خواری مستانِ حق نصیبِ تو آید
ز ہر حجاب کہ باشد تمام خود بدر آئی

بہ نیم جرعہ ز دل برزند ہزار انا الحق!
خموش باش معینی نگر بخود تو کجائی

دلا چو محرم آن دلبرِ یگانہ توئی!
قضا چو تیر بلا می زند نشانہ توئی

دگر فروزد کانونِ عشق آتشِ شوق
شرارۂ کہ بریزد ازان زبانہ توئی

تنم چو دائرہ و نقطہ درمیانہ دلم
دلم چو دائرہ و نقطہ درمیانہ توئی

بگفتم از چہ بہانہ تو در حجابی گفت
وجود تست حجابِ من و بہانہ توئی

ہمائے عشق بہ دام حدوث کی گنجد
چو مرغ خانگی در قیدِ آب و دانہ توئی

چو حلقہ منتظری بر درونی دانی
کہ طالبِ خودی و در درون خانہ توئی

معین برآئی بہ منبر بگوئی نکتۂ عشق
کہ بلبلِ چمنِ عشق در زمانہ توئی

قصیدہ !

در حمد

حمدی کہ ہم چو بحر کرم بے کران بود
حمدی کہ شکر نعمتِ ہر دو جہان بود

حمدی کہ در تضاعفِ ذرّات کائنات
چندان کہ مستزاد کنی بیش ازان بود

حمدے بدان مثابہ کہ ادراک کنہ آن
برتر ز پایہ خردِ خردہ دان بود

حمدی کہ چون عماری عزت کند روان
بر منکب ملائکہ حکمش روان بود

حمدی کہ در ہوائی ہویت ہمائی وار
بر تخت گاہِ ملک قدم سائبان بود

حمدی کہ ظل رافتش ار برکسی فتد
بر مسندِ مقاصد خود کامران بود

حمدی کہ چون ز حیطۂ جان سر برون کند
ہر تار موی بر تن ازان صد زبان بود

حمدی کہ چون قدم کشد از ضیق کن فکان
جولان گہش نہ باحیت لامکان بود

حمدی کہ چون زبان و ہدش زیور بیان!
تحسینِ قدسیان ہمہ نعم البیان بود

حمدی کہ در ہواش ملائک فگندہ پر
آن خود چہ جائی حوصلۂ انس و جان بود

حمدی کہ نہ ملک کند انشا نہ انس و جان
بل خود بہ ذات خود متصدیٔ آن بود

باد انثار بارگہِ قدسِ کبریا
کان مصعد محامد قدوسیان بود

آن حمدِ نا قصیکہ بگویند بندگان!
کی در خورِ خدائے حقِ عز و شان بود

لا احصی ست تحفۂ خاصان در آن جناب
این گفتگو چہ لائق آن آستان بود

در اوجِ کبریاش فگندست بالِ عجز
آن شاہباز قدس کہ عرش آشیان بود

ادنی نشان محض چہ جوئی ازو نشان
ہر ذرّہ بر خدائی او صد نشان بود

چشمت چو نیست پردہ ز رخ کی بر افگند
صاحب نظر کجاست کہ او خود عیان بود

آن را کہ پردہا ز منظر بر گرفتہ اند
در صد ہزار پردۂ دیگر نہان بود

حقا کہ کوششے تو بجائی نمی رسد
گر بے کشش بہ جانب او ہر زمان بود

سدِ وجود بشکن اگر مرد این رہے
ورنہ ہزار سالہ رہ اندر میان بود

او بود در ازل متوحد کہ در وجود
جزوی نبود تا بہ ابد ہم چنان بود

از مطلع وجود چو نورِ قدم بتافت
از ظلمت حدوث چہ نام و نشان بود

تا حسنش از دریچۂ ہستی نمود رُخ
زین گفتگو بہر سرِ کو داستان بود

ز آئینۂ وجود نماید بآب و خاک
آن صورتے کہ معنی روح روان بود

در نقطہ گاہِ خاک مبین جز باعتبار
کان مرکزِ محاذ ز ہفت آسمان بود

اندر دہانِ خاک نہد نفس ناطقہ
تا از زبانِ غیب ترا ترجمان بود

گنجی کہ شاہِ عشق نہد در دل خراب
نقد دو کون در عوضش رائگان بود

ہر ہفت دوزخ از تفِ دل یک شرارہ ایست
ہر ہشت خلد یک گلِ ازین بوستان بود

دیو و ملک بنقطۂ دل در تنازع اند
چون سعد و نحس کش بہ فلک اقتران بود

عقل و ہوا فرشتۂ و دیو ند در نہاد
با جسم و جان نشان بہ مثل توامان بود

جان را مدو ز حکمت و تن را ز شہوت ست
نقصان این مقوی در جان آن بود

کم خوردنست مایہ حکمت دران قرائے
سودِ دلست گرچہ کہ تن را زیان بود

تن مرکبیست بستہ بر آخر ز بہر رزم!
آن بہ کہ روز معرکہ لاغر میان بود

دل چیست درّ بحرِ صفا دان کرا سزد
آن راکه چون صدف همه تن استخوان بود

جان چون مسیح گر رهد از عهد مریمی
با روحِ قدس تا بفلک هم عنان بود

هر کس که پا بدامنِ همت کشد چو کوه
از تند باد حادثه اندر امان بود

وآن راکه دل بکف بود از بهر مهر دوست
دل هم چو بحر باشد و کف هم چو کان بود

وان راکه دیده تر بود از آتش درون
چون ابر بر بساطِ جهان دُر فشان بود

در محنتِ فراق چو دل می رود ز دست
در لذتِ وصال به بین تا چه سان بود

از ذرّه ذرّه اش بچکد قطره قطره خون
با هر دلے که عشق تو در امتحان بود

ہر مرہمی ز غیر تو بر دل جراحت است
زخمی کہ از تو می رسد آرام جان بود

یارب بہ حق سیّد کونین مُصطفےٰ
کش جسم و جان خلاصۂ کون و مکان بود

شاہی کہ تخت سلطنتش گر برون زنند
قدرش فرازِ مملکتِ کن فکان بود

آن خواجہ کز حریم حرم تا فضائی قدس
گاہے عروج نہ فلکش نردبان بود

آن خرقہ پوش فقر کہ بر دوش عرشیان
از گرد دامنِ کرمش طیلسان بود

یارانِ اہلِ بیت کہ در دارِ ضرب عشق
بر نقدِ دوستی رقمِ نامِ وشان بود

زایشان شنیدہ ام کہ ز لطف تو بندگان
ہرچہ گمان برند یقین آن عیان بود

نومید چون شود دل و جانِ امیدوار
جائی که رحمت و کرمِ بیکران بود
دارد ه سعَاین به رحمتِ حق منتهائی تو
امید ازان زیاد که اندر کمان بود

ارشاد محبوب

یعنے

فوائد الفواد

کا اردو ترجمہ جو حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ ہے جو عرصہ دراز سے نایاب تھا۔ انتہائی خوبصورت انداز میں طبع ہوگیا ہے۔ یہ مجموعہ ۲۰×۳۰/۱۶ تقطیع پر ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ سفید چکنا۔ مع جلد حسین گرد پوش

ہدیہ صرف تین روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

دیوان قطب الاقطاب

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت والا کا یہ دیوان اس قابل ہے کہ اس کو تصوف کے متوالے حق آگاہ لوگ شریعت و طریقت کا معیاری مجموعہ سمجھ کر اس کا مطالعہ کریں اور دینی و دنیاوی برکتیں حاصل کریں۔

$\frac{20\times30}{16}$ تقطیع پر۔ خوبصورت جلد و گرد پوش صفحات ۶۰۰۔

ہدیہ نو ۹ روپے

دیگر مذہبی و اصلاحی کتابیں ہم سے طلب فرمایئے۔